

ماہنامہ

شہزاد

حیدر آباد

خصوصی شمارہ بے یاد
راجہ مہدی علی خاں



قیمت ۲۰ روپے

جولائی ۲۰۰۷ء

زندہ دلان حیدر آباد کا ترجمان

اشاعت کا ۳۹ وائے سال



حیدر آباد

شمارہ
۷

جلد
۴۰

جو لائی ۲۰۰ روپے

بہ پا اور راجہ مہبدی علی خاں

ایڈٹر اور سیرز: ڈاکٹر سید طفیل کمال

ایڈٹر اور سیرز: ڈاکٹر عابد محنّز

مجلس ادارت

حایات اللہ
طالب خوندیری
ڈاکٹر جیب خیا
سمیع جلیل

مجلس مشاورت

زین العابدین
ڈاکٹر زارج بھادر گوڑ
امیر ابے۔ باسط، آئی پی ایس
محبیٰ شیخ
یوسف ناظم
محمد علی رفت، آئی اسے ایس

اوورسیز کمیٹی

حسن چشتی (امریکہ)
عبد الرحمن سیم (ریاض)
شجاع عاطف (اسٹریلیا)
غلام نجم الدین (دوہیشی)
شجاع الدین غوری (کراچی)

لائبریریوں سے: ۲۲۵ روپے

یوروپی ممالک سے: ۳۰ امریکن ڈالر

طبعات: دائرہ پرنس پھٹکہ بازار، حیدر آباد

قیمت فی پرچہ ۴۰۰ روپے

زرسالانہ: ۲۰۰ روپے

کمپیوٹر کتابت: SAM کمپیوٹر، محل پورہ

سرورق اشوک شrama

خطہ کتابت و تبلیغ رکاپیٹ: ۳۱ پلٹر کوارٹر، ملٹی چاہی ارک، حیدر آباد - 500001

فون: (۰۹۱) 24745716 (رہائش) 23326185 - موبائل 9885202364

E-mail: samurdu@yahoo.com



رجب مہدی علی خاں

پیدائش: ۲۳ ستمبر ۱۹۱۵

وفات: ۲۷ جولائی ۱۹۷۶

ڈاکٹر وزیر آغا ۵

پروفیسر سید جعفر ۸

احمد جمال باشا ۱۰

ڈاکٹر شفیقہ فرحت ۱۲

ڈاکٹر عبدالقدیر مقدر ۱۶

اردو ادب کا فنادو

رجب مہدی علی خاں، ایک ناظر حیات

رجب مہدی علی خاں کا اندازہ بیان

رجب مہدی علی خاں

رجب مہدی علی خاں، ایک جائزہ

انتخاب نظر راجہ مہدی علی خاں

میرا پیارا دوست منو ۲۲

میں عصمت چھتائی اور کریں ۲۲

مشہور اہل قلم کے محبوب مشغلو ۳۱

مشہور اہل قلم خواتین کے محبوب مشغلو ۳۲

انتخاب کلام راجہ مہدی علی خاں

مہرباں ہو کے بلا لو ۱۵
لوتی ہوئی بارات

غالب نام (جیروڈیاں) ۵۵۸۲۰۷۷۴۶۳۹
مکالہ

ضرورت ہے ایک توکر کی ۵۷
مشق کے لیے روانی

ایک خاتون کے پرائیوٹ خطوط ۵۹
تیرے کوچے میں

مہرباں ہو کے بلا لو

غالب نام (جیروڈیاں)

ضرورت ہے ایک توکر کی

ایک خاتون کے پرائیوٹ خطوط

بال کی کھال (تبرے)

ڈاکٹر شیم الدین فریس ۵۳

یوسف نائم ۵۷

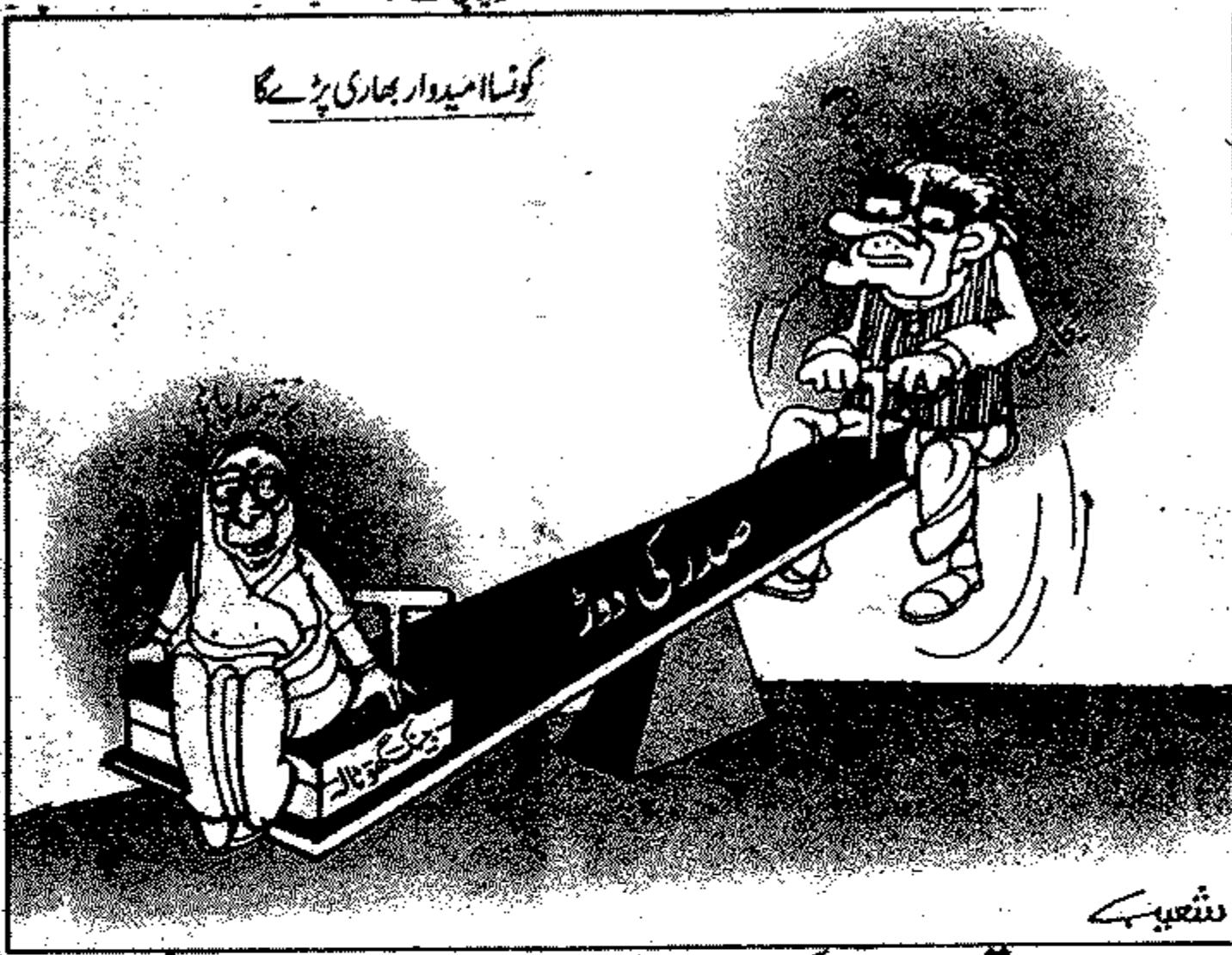
کالم برداشتہ ایک مطالعہ

رجب مہدی علی خاں کی ادبی خدمات

دے کے خط مرائلے ۵۹

پھر لیٹیں گے اداریہ ۶۰

کونسا امیدوار بھاری پڑے گا



شعبہ



Eric & Bill

"ہم نے تباہت جدید ترین ہدایوں اور سماں دوڑ مال کر لیا ہے
اسے کام میں لا یے۔ ہم کافی خیز کر رہے ہیں"

Eric & Bill

"جسیں آرام کرنا پڑتا ہے اور ایک بار میں تاہم قرض درندوں سے
معاملات طے کر لینے چاہئے۔ چلو مجھ سے حق اتنا کرو۔"

ڈاکٹر وزیر آغا

اردو ادب کا فناڑو

اس دنیا میں جو بھی وارد ہوتا ہے۔ اپنا مشن اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ بعض لوگ انسان کو جہالت اور تاریخی سے اور بعض اسے دکھوں اور آرزوؤں کے چنگل سے رہائی دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر بعض ایسے بھی ہیں جو انسان کو اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنے کی تحریک دیتے ہیں اور یہ ایک بُرا نیک مشن ہے۔ لیکن ایک بالکل محدود تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو کوئی عکساش یا تجسسیہ مقصود لے کر وارد نہیں ہوتے۔ ان کا کام فقط ذکر کرتے ہوئے پایا۔ راجہ اور یگم مہدی کا ارادہ تھا کہ کسی روز اپنی بیچیوں کو ملنے پاکستان کا سفر اختیار کریں گے۔ لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ محرومی کے اس جان لیوا حس کے ساتھ سمجھی کے دوران قیام میں مہدی کی صحت بگزتی چلی گئی تھی۔ اس کا دل اور گردے کمزور ہو گئے تھے اور جسم میں پانی پھر جایا کرتا تھا جس کے باعث وہ کئی کئی روز سخت اذیت میں بخمار ہتا۔ بعض اوقات اس پر درد کا اتنا بڑا احمالہ ہوتا تھا کہ ایک گمرا کرب اس کی آنکھوں میں صاف چھلنے لگتا تھا۔ لیکن مجال ہے کہ اس کی زبان پر بھی دلکایت کا ایک حرفاں تک آیا ہو۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ شخص جس کی زندگی ایک مسلک کرب کی تصویر تھی جب شعر کہنے لگا تھا تو اس کے قلم سے خون کے بجائے امرت چھلکتا تھا، آنسوؤں کے بجائے جسم ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا تھا اور ایک عالم اس کی میشی کوں با توں میں اپنے دکھوں کا مدار ادا تلاش کرتا تھا۔ سعد شاہد مرحوم نے کسی زمانے میں سرکس کے ایک سخنے فناڑو کے بارے میں ایک افسانہ لکھا تھا کہ کس طرح فناڑو کا دل رو رہا ہوتا تھا اور زہان محل کو زعفران

وہ دنیا میں جو بھی وارد ہوتا ہے۔ اپنا مشن اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ بعض ایسے دکھوں اور آرزوؤں کے چنگل سے رہائی دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر بعض ایسے بھی ہیں جو انسان کو اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنے کی تحریک دیتے ہیں اور یہ ایک بُرا نیک مشن ہے۔ لیکن ایک بالکل محدود تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو کوئی عکساش یا تجسسیہ مقصود لے کر وارد نہیں ہوتے۔ ان کا کام فقط اتنا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر بڑی آہنگی کے ساتھ انسان کی آنکھوں سے بہت ہوئے آنسوؤں کو پوچھ ڈالتے اور اسے ذرا سا گدگدا کر زندگی کے کرہنا ک اندھروں کو سکرانے کی سکت عطا کر دیتے ہیں۔ راجہ مہدی علی خال اسی سو خر الذکر گروہ کا ایک نامور فرد تھا۔

راجہ مہدی کی اپنی زندگی ایک مسلک کرب کی داستان تھی۔ پاکستان بننے سے بہت پہلے وہ لاہور اور دریہ ری جھگوں پر جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور پاکستان بننے کے بعد بھی جا کر اسی جان لیوا خلش کا ہدف ہوا۔ زندگی نے اس مرد قلندر پر اپنی نظر کرم ڈالنے میں بھی بھل سے کام لیا۔ پھر مہدی سے خود فطرت نے یہ انتظام لانا کہ اسے اولاد سے محروم رکھا۔ اس محرومی نے اس کی زندگی میں ماہی کی ایک لہری دوڑا دی جس کا انہمار بعض اوقات بڑی دردناک صورت اختیار کر جاتا تھا۔ مثلاً اپنے عزیز زوں یادوستوں میں سے کسی کے ان اگر اسے کوئی لاچار یا اپاچ بچہ ادا سیوں میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیتا تو اس کے اندر جیسی ہوئی پردازہ شفقت اہل کر بیہر آ جاتی اور

صرف ایک جریدہ کس طرح اس کا متحمل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قورانی لہس ہندستان اور پاکستان کے لا تعداد دوسرے جو اندر بحکم پھیلتی چلی گئیں۔ تب میں نے راجہ مہدی علی سے کہا کہ ان کی نظموں کا ایک انتخاب بہت جلد منظر عام پر آ جانا چاہئے۔ پہلے تو انہوں نے میری تجویز کا مذاق اڑایا لیکن آخر میں مان گئے اور پھر میں نے ان کی نظموں کا انتخاب کر کے انہیں ایک خاص انداز میں مرتب کر کے 'انداز پیاس اور' کے نام سے پیش کر دیا۔ مولانا ملاح الدین احمد مرحم نے (کہ راجہ مہدی علی کے بڑے مذاق ہوا تھا۔ ان دنوں میں نیازیاً ادبی دنیا سے فصلک ہوا تھا اور اس تھے کو ایک نئی نجی پر چلانے کا کام مجھے پرداز دیا گیا تھا)۔ ایسے میں مجھے ان تمام لوگوں کی تلاش ہوئی جو اپنے اپنے میدان میں اجتہادی کام سر انجام دے پچکے تھے لیکن جو کچھ عرصہ سے خاموشی کے قصر میں پناہ گزیں ہو گئے تھے میں نے اس سلسلے میں پہلا خط راجہ مہدی علی خاں کو لکھا ساتھ ہی اپنی تصنیف 'اردو ادب میں طزو و مزاہ' بھجوائی جس میں راجہ جی کے فن کی عظمت کا کھلا اعتراف موجود ہے۔ پھر دیکھتے دیکھتے میرے اور راجہ مہدی کے درمیان خط و کتابت کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جو اس کی موت سے چند روز پہلے تک جاری رہا۔ راجہ مہدی دس برس سے خاموش تھا جب میں نے اسے از سر نو لکھنے پر مجبور کیا تو یہ کا یک دیہودی پھٹ کر بہہ لکھا اور وہ لاوا جو اس کے اندر بچھلے دیں برس سے جمع ہو رہا تھا طزو و مزاہ کے ایک عظیم الشان فوارے کی صورت میں چاروں جانب روشنی کی کرنیں بھیڑنے لگا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ راجہ مہدی کافی 'چپ' کی آگ میں جل کر را کھنکیں ہوا۔ بلکہ اس آتش سے کندن بن کر نمودار ہوا تھا۔ پہلیک وہ اپنی اوبی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں چند ناقابل فراموش نکالیں کہ کہ کر اردو کے طنزیہ اور مزاحیہ ادب میں ایک ابدی مقام حاصل کر چکا تھا۔ لیکن دور ہائی میں اس کے فن نے رفت اور عظمت کو جس طرح چھوایا یہ منظر بھی دیکھنے کے قابل تھا۔

لیکا یک اس کی زبان اور قلم سے نظموں کا ایک سیاحاب اللہ پڑا اوبی دنیا نے اپنے دامن کو مقصود بھر پھیلا کر اس سبل انوار کو سینا لیکن اصل صورت صاف نظر آتی ہے لیکن نہایت شدید حالات میں کہ

زار میں تبدیل کرتی جاتی تھی۔ میں سوچتا ہوں کہ راجہ مہدی علی خاں بھی تو اردو ادب کا فناڈو تھا کہ اگرچہ اس کی اپنی ذات دکھوں، محرومیوں اور نارسا آرزوؤں کی آمادگاہ تھی لیکن اس کی زبان اور قلم خوشیوں اور قہقہوں کی تقسیم پر ما سورت تھے۔ راجہ مہدی بھی ایک عظیم مشن لے کر اس دنیا میں آیا اور تقریباً تمیں برس تک اس ایک کام کے علاوہ اس نے کسی اور کام سے سروکار تک نہ رکھا۔ آج سے تقریباً چھ برس پہلے راجہ مہدی سے میری دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ ان دنوں میں نیازیاً ادبی دنیا سے فصلک ہوا تھا اور اس جریدے کو ایک نئی نجی پر چلانے کا کام مجھے پرداز دیا گیا تھا۔ ایسے میں مجھے ان تمام لوگوں کی تلاش ہوئی جو اپنے اپنے میدان میں اجتہادی کام سر انجام دے پچکے تھے لیکن جو کچھ عرصہ سے خاموشی کے قصر میں پناہ گزیں ہو گئے تھے میں نے اس سلسلے میں پہلا خط راجہ مہدی علی خاں کو لکھا ساتھ ہی اپنی تصنیف 'اردو ادب میں طزو و مزاہ' بھجوائی جس میں راجہ جی کے فن کی عظمت کا کھلا اعتراف موجود ہے۔ پھر دیکھتے دیکھتے میرے اور راجہ مہدی کے درمیان خط و کتابت کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جو اس کی موت سے چند روز پہلے تک جاری رہا۔ راجہ مہدی دس برس سے خاموش تھا جب میں نے اسے از سر نو لکھنے پر مجبور کیا تو یہ کا یک دیہودی پھٹ کر بہہ لکھا اور وہ لاوا جو اس کے اندر بچھلے دیں برس سے جمع ہو رہا تھا طزو و مزاہ کے ایک عظیم الشان فوارے کی صورت میں چاروں جانب روشنی کی کرنیں بھیڑنے لگا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ راجہ مہدی کافی 'چپ' کی آگ میں جل کر را کھنکیں ہوا۔ بلکہ اس آتش سے کندن بن کر نمودار ہوا تھا۔ پہلیک وہ اپنی اوبی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں چند ناقابل فراموش نکالیں کہ کہ کر اردو کے طنزیہ اور مزاحیہ ادب میں ایک ابدی مقام حاصل کر چکا تھا۔ لیکن دور ہائی میں اس کے فن نے رفت اور عظمت کو جس طرح چھوایا یہ منظر بھی دیکھنے کے قابل تھا۔

لیکا یک اس کی زبان اور قلم سے نظموں کا ایک سیاحاب اللہ پڑا اوبی دنیا نے اپنے دامن کو مقصود بھر پھیلا کر اس سبل انوار کو سینا لیکن

۷۰ سال سے ملک کی مشہور و معروف اور
ہزاروں کی من پسند چائے
ملک کے ہر گوشے اور ہر دوکان پر دستیاب
لاسا اپیشل چائے
لاسا چاکلیٹ چائے

ہیڈ آفس: نیلگری ٹی ایمپوریم
محظم جاہی مارکٹ، حیدر آباد - اے پی
فون: 24618340 - 24600050
فیاکس: 040-24734756

(Retouching) کے اس لمس مکر کی طرح اور نہ موئے قلم کے اس لمس مکر کے ساتھ کہ ہم کسی فریب میں جلا ہو جائیں۔ اس کے برعکس وہ ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہے۔ جسے دیکھتے ہی ہم بے اختیار نہ پڑتے ہیں۔ اور ہمارے جذباتی ایمال میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور راجہ مہدی علی خان نے پوری فن ہمارت کے ساتھ سے سرانجام دیا ہے۔

اس خفتر سے مضمون میں راجہ مہدی علی خاں کے فن کی
خصوصیات کو پیش کرنا مقصود نہیں۔ مقصود اس کے فن کا اعتراف
ہے۔ وہ بیسویں صدی کی اردو شاہری میں طفرہ جراحت کا سب
سے بڑا علمبردار تھا اور روتے ہوؤں کو ہنسانا اس کا محبوب ترین
مشغله تھا مگر آج کہ وہ یک لیک نہیں اپنے آخری مذاق کا ہدف
ہنا کہ کسی چور دروازے کے راستے بھری بزم سے غائب ہو گیا ہے
تو قیاس کہتا ہے کہ کم از کم اس کا یہ آخری مذاق تو اپنے مشن میں
ناکام ہے کیوں کہ اس بار اس نے ہمارے ہونٹوں پر قسم نہیں
بکھیرا بلکہ ہماری آنکھوں کو آنسوؤں سے لبریز اور ہمارے دلوں
کو خون اگلتے پر مجبوہ کر دیا ہے۔ سوچتا ہوں کہیں ایسا تو نہیں کہ
زمانے نے تحریفات و حوادث کی ٹھنڈی میں جو کچھ اسے دیا تھا اس
نے ایک شریر مسکراہٹ کے ساتھ یہ سب کچھ زمانے کو لوٹا دیا
ہے۔

تم کون سے تھے ایسے کھرے وادوستہ کے
کرتا تک الموت تقاضا کوئی دن اور

ملز و مزاح کے نامور شاعر طالب خوند میری کر مجموعہ کلام

جن کے پردے میں کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے

قیمت: ۵۰ اروپے

بلد ملشی کلر سروارق صفحات: ۲۱۶

ناشر: شگونه پیلی کیشنر، معظم چاهی مارکت، حیدرآباد

ڈاکٹر سیدہ جعفر

حیدر آباد

راجہ مہدی علی خاں..... ایک ناظر حیات

ریجہ کی شاعری خدمت مخفی نہیں بلکہ مقصودیت، سماجی شعور اور مزاج کا ایک پر لطف امڑا جا ہے۔ یہ بھلی پچالی صرفت افزا اور بصیرت افسوس شاعری ہے جس میں اپنے عہد کے رشکار گک موضعات اور ان کی معنویت کا شدید احساس بھی موجود ہے۔ شاعر زندگی کی چھوٹی چھوٹی الجھنوں سے برس پر کارہے۔ فرش پر گری ہوئی آنکی، بھی چپا تیاں، ماں کے ہاتھوں پڑھا ہوا منا، رو بھی ہوئی محبوہ، بسوں میں انسانوں کا بے پناہ ہجوم اور بیوی کی بد سلیقہ سہیلیاں، وہ چھوٹے چھوٹے مسائل میں جنمیں شاعر نے بڑی خوش اسلوبی اور زندہ دلی کے ساتھ اپنی نظموں میں جگہ دی ہے۔ اردو شعر نے گمر بلو زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور اس کی معنوی سہیلی الجھنوں، اس کی راحتیں اور محرومیوں کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ انہوں نے خاندان کو جو سماج کی سب سے اہم اکائی ہے اور جسے تہذیبی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، بہت کم درخور اعتنا کیجا ہے۔ مزاجیہ شاعری میں راجہ مہدی علی خاں نے اس موضوع کے ساتھ انساف کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ گمراہ ایک جنت ارضی سمجھتے ہیں جس کی سرتوں اور لفڑیوں کا انہوں نے بار بار ذکر کیا ہے۔ جنت سے منشو کا خط میرے نام میں انہوں نے اسی تصور کو نظم کا بنیادی خیال ہا کے جیسی کیا ہے۔ مہدی علی خاں کی نظم شاعری کی ایک افرادیت یہ بھی ہے کہ ان کی شعری تخلیقات ہر عمر، ہر جنس اور ہر طبقہ اور ہر زون کے لوگوں کا دل بجا سکتی ہے۔ راجہ کی مقبولیت کا راز ہلکی صفت سے ان کی دل بھاگنی نہیں بلکہ ان کی وہ پائی بھار تخلیقات اور مزاج امیر بھی بصیرت بھی جو بھجوں کی محل میں ایک مشورہ اور کھلندرا انسان اور

اردو شاعری نے گذشتہ چند دہائیوں میں جو چند کامیاب مزاج نگار پیدا کئے ہیں ان میں راجہ مہدی علی خاں کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔ مہدی علی خاں کی ظریفانہ شاعری اپنے عہد کی ترجیحان اور اپنے دور کی تہذیبی اقدار، عصری رجات اور سکھی، ان کے تضادوں اور پیچیدگیوں اور اپنی معاشرت کے خاندانی اور خانجی مسائل کی عکاس ہے۔ وہ ہمارے عہد کے کوئی بہت غلطیں فکار نہیں تھے۔ ان کے یہاں نہ فلسفہ طرازی ہے نہ تخلیل کی فعتیں ہیں، نہ انہوں نے پراسرار بخشی کی کوشش کی ہے اور نہ آنکی کے دام شنیدن بچھانے کو چیلنج کیا ہے۔ ان کی شاعری عام انسان اور اس کے گرد پیش پر پھیلی ہوئی اس زندگی کی صورتی ہے جو گریان بھی ہے اور خندہ بھی، جس میں کجر دی اور ریا کاری بھی ہے اور خلوص و محبت کی آسودگی اور راحت بھی۔ انہوں نے اپنے فن کو حیات کی گری اور اس کی قوت نمودے تو انکی بخشی ہے۔ اور اس کی بولاخھوں اور اس کے سنجیدہ مسائل کے مفعک پہلو کو اپنے فن کا موضوع بنایا ہے۔ سنجیدہ شاعری ہر درجے اور ہر حیثیت کے شاعروں کو جنم دیتی ہے لیکن مزاجیہ شاعری میں فکار یا تو کامیاب ثابت ہوتا ہے یا انہا ناکام اور ان دونوں کے درمیان کوئی تینری منزل نظر نہیں آتی۔ اس لیے ظریفانہ شاعری باوی اظہر میں جتنی آسان ہے دراصل اتنی ہی ریاضت پسند ہے۔ وہ جگر سوزی اور فتنی بصیرت کی طلبگار ہوتی ہے۔

لوئی ذی رون نے مزاج کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دراصل آدرشیوں اور جنتیلی زندگی کے قفاوٹ کی پیداوار ہوتا ہے۔

توازن پر بھر پور طور کیا ہے۔ ”ڈاکوں ڈاکو“، ایک چہلم پر، ”اجی پپلے آپ“، ”ملاقاتی“، ”چور کی دعا“، ”جنت میں حسینوں کی بھوک ہڑتال“، ”بوروڈ آف انٹرویو“، ”سرال کی جیل“ اور ”مشتوی قبر عشق“، ”محسن سطحی“ بھی دل گئی کا سامان فراہم کرنے والی نظمیں نہیں، زندگی کی نامہواری کے احساس، سماجی بصیرت اور فکاریہ غضر کے امتزاج نے انہیں وقیع بنا دیا ہے۔۔۔

Gilbert Anatomy of Laughter

hignet نے ابھی مزاح کی پہچان یہ بتائی تھی کہ وہ دعوت تہبہ بھی دے اور دعوت فکر بھی۔ اس معیار پر راجہ کی بہت سی نظمیں پوری اترتی ہیں۔ رجبہ مہدی علی خاں میں بیروڈی لکھنے کا ایک خاص سلیقہ موجود تھا۔ غالب کے اشعار کی جو گفتہ، بر جستہ اور پر لطف بیروڈیاں راجہ نے کہی ہیں وہ اردو کے مزاجیہ ادب میں ایک قابل قدر اضافہ معلوم ہوتی ہیں۔ بیروڈی غرافت کی وہ قسم ہے جس میں کسی شاعر یا ادیب کے مخصوص طرز ادا کی تقلید کر کے مزاجیہ تاثر کو ابھارا جاتا ہے یا اس کے تفکر کی سمجھیگی کو غرافت سے بدل دیا جاتا ہے۔ بیروڈی کے لیے عام طور پر نامور شعر ایک ایسی مقبول نظمیں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو زبان زد خاص و عام ہوں تاکہ جب بیروڈی اصل سمجھیدہ کلام کے بال مقابل لائی جائے تو موازنے اور مقابلے کے ذریعے سے قاری اس سے پوری طرح لطف انداز ہو سکے۔ اردو میں اقبال اور غالب کا کلام بیروڈی نگاروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔۔۔



قلمی معاونیں سے درخواست

- سودات صاف اور خوش خط ارسال فرمائیں ● سطیں قریب قریب نہ ہوں ● لفظوں کو جوڑ کر نہ لکھیں جیسے: انہنوں، ہمکو، جمکو، چاہیکہ، انکو، رینگے، دینگے ● نئے نام اور غیر مانوس الفاظ واضح لکھیں۔

زندگو دل جوانوں میں ایک ٹھریف اور ہر لمعزہ فکار اور خواتین کی بھلوں میں ایک شائستہ اور نہ کہ شاعر بنا دیتی تھی۔ اردو کے مزاجیہ شاعروں پر تغییر نگار ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ان کے موضوعات میں بڑی یہکہ رنگی پائی جاتی ہے۔ اس لیے ٹھریفانہ شاعری میں بھی یہکہ سراپا پیدا ہو گیا۔ رجبہ مہدی علی خاں ایک بڑے طبع، منفرد اور اپنی شاعر تھے۔ مزاح میں ان کے موضوعات کی رنگارنگی اور تنوع، قاری کو تحیر کر دیتی ہے۔

فکار ایک ایسا نا غریبات ہے جو زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ایک نئے زادیہ نگاد سے مطالعہ کرتا اور اس کے گونا گون مظاہر کا ایک نی سختیت کے ساتھ تجزیہ کرتا ہے۔ رجبہ مہدی علی خاں نے اسی انداز میں زندگی کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے فن کی اساس، زندگی کا نیا پن اور اس کی نازگی و رعنائی ہے۔ انہوں نے مزاح نگاروں سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ تراشی ہے۔ رجبہ کی شاعری زندگی کی نامہواری، اس کے تضاد اور اس کے بے ہنگم عالمگیری نشان دہی کرتی ہے۔ انہوں نے اپنی نظمیں بیش بظاہر غیر اعتماد اور معمولی موضوعات کا انتخاب کیا ہے لیکن ان کی دیگر دری اور درجہ درجہ نگاری نے زندگی کے ان پہلوؤں کے غیر متناسب رہنمائیات کو واضح کر کے ان کے مسحک پہلوؤں کو بے نتال کر دیا ہے۔ ان کے پہلے مجموعہ کلام ”معزاب“ میں زندگی کے رومنی پہلو، حسن کے نغموں اور جمالیاتی اقدار کے احساس کے ساتھ ساتھ حقیقت پسندی کا وہ رہنمائی موجود ہے جو سماجی ناکش پر خود صحیح کے شتر چلاتا اور زندگی کے تضاد اور اس کے تضاد کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میراںی نے راجہ کے پارے میں کہا تھا ”سماجی مظاہر پر ان کا طفر روانی اور محض برائے بیت گھنٹن نہیں ہے۔ ان کی انفرادیت انہیں ایک اچھا طفری رہیا دیتی ہے۔۔۔“

مہدی علی خاں نے ہنسا ہنسا کر جیسی زندگی کے سمجھیدہ مسائل کی طرف متوجہ کیا ہے اور موجودہ سماج کے کھوکھے پن کا پول کھولا ہے۔ تہذیبی زندگی کی بد عنوانیوں، اس کی نمائش پسندی اور عدم

احمد جمال پاشا

راجہ مہدی علی خاں کا انداز بیان

مہدی علی خاں طفیل مزاج کے پردے میں حقائق کے تاریک پہلوؤں اور بے عمل انسانوں کے خیالی پلاٹ اور شیخ چلی پلاٹ کی خاک اڑاتے نظر آتے ہیں مگر اس کے وجود ان کے بھائی مشاہدے کی گہرائی اور معاملات کی تہہ تک ہیوچ جانے والی دور نہیں ہے۔

بچوں واکٹر وزیر آغا، ان کی اس دور کی اہمیت زیادہ تر تعلیٰ ہے اور یہ جلد طفیلی میں مزاج کی صلاحیتوں کو بیدار کر کے اس کے ارتقاء کی طرف بچوں کو گامزن ہونے کی تحریک دیتی ہے۔

ان نہیں میں بچوں کے ذوق غرافت کو تحریک دے کر یہ معنی الفاظ لے جوڑے خیالات اور عجیب و غریب واقعات کے ذریعہ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ حالات اور واقعات کی نہ ہماری کاپی کو احساس ہو جاتا ہے اور وہ یہ اختیار نہیں دیتا ہے۔

بچوں کے لیے راجہ مہدی علی خاں نے بچوں کی توبہ "چور کی دعا" اور "نہی جو کن خدا کی تلاش میں جسمی شکنند نہیں کی ہیں۔

بچوں میں غرافت کا مادہ خدا داد دوتا ہے جس چیز کو دیکھ کر تم محض سکرانے پر اکتفا کرتے ہیں پسچے اس پر یہ اختیار ہوتا شروع کر دیتے ہیں کہ جس چیز کی ہمارے تزویک کوئی اہمیت نہیں اور روز دیکھنے کے جب وہ ہمارے لیے پرانی ہو جاتی ہے مگر بچوں کے لیے بالکل نئی ہوتی ہے۔ چیزوں کا یہ نیا اور الگما پن ان کے لیے ہنسنے ہنسانے کے موقع فراہم کرتا ہے۔ راجہ مہدی علی خاں کی طفیل غرافت کے کچھ نہیں دیکھنے۔

بچوں کے لیے اس طبق میں اس کا ایک ایسا نمونہ ہے۔

ایوان غرافت میں راجہ مہدی علی خاں کی فہری سب سے مخصوص منفرد صحمند زندگی اور زندہ دلی سے بھر پور تھی۔ جیسے اور جلانے کی ادائیں، حیات کی جلوہ سامانیاں اور شوختی و تمسم کی سرستیاں ان کی باغ و بہار شاعری کے دامن خداں میں ہمیشہ اسی طرح ان کی فہری کے کونڈنے کے لیے رہیں گے۔

راجہ مہدی علی خاں کی حیثیت اس باغ و بہار شخصیت کی سی تھی جو محفل کو پورے وقت متوجہ لوٹ پوٹ رکھتی ہے۔ ان تھیوں نے ہر ٹھی اور تمسم کو اپنے تکلم میں سوکر بزم کو شادماں کر دیا تھا۔

دور حاضر کے ممتاز طفرہ مزاج نگار شراء مثلاً سید محمد جعفری، دلادر فگار، واہی، قاضی غلام محمد، فرقہ کا کوروی، مجتوں لکھنؤی، رئیس امر وہوی، سید ظہیر جعفری، شہباز امر وہی، کوہ کن، اے ڈی اٹھر، صادق مولا، اٹھاراٹھ آبادی، اور بے نام وغیرہ میں راجہ مہدی علی خاں کی امتیازی حیثیت نمایاں ہے۔

طفرو مزاج نگار شراء میں راجہ مہدی علی خاں اس لیے بھی ممتاز نظر آتے ہیں کہ ان کا میدان سب سے الگ تھا۔ انہوں نے شروع ہی سے خالص غرافت، خوش قتنی، مخصوص شوختی اور تعریف کے مسلک کو اپنایا۔

راجہ مہدی علی خاں کی مراجیہ شاعری کی ابتداء "بچوں" سے ہوئی تھی۔ بچوں کے اس مقبول رسائلے میں ان کی طفیل غرافت خوب پھیلی پھولی۔ اس کا ایک خوٹکوارا اڑان کے اسلوب پر یہ ہوا کہ اس میں ہمیشہ روانی، سادگی، شفافی، مخصوصیت اور ایک بے ساختگی رہی۔ راجہ مہدی علی خاں کے بھائی غرافت میں اگر کہیں طفری کی چیز ہے بھی تو بہت طفیل ہیں وہ منزل سے جہاں راجہ

موادر دوشاعری کے قدیم سرمائے اور قلم سے تحریف کی شکل میں
حاصل کرتے ہیں۔ ماضی اور حال سے یہ لگاؤ ان کے بیہاں
بہت عام ہے۔

اس طبقی رجحان کے سبب راجہ مہدی علی خاں کے ہاں مستقل
چھیڑ چھاڑ اور نوک جھوک کی دلچسپ مثالیں ملتی ہیں۔ راجہ مہدی
علی خاں اور طاہرہ سلطانہ میں مختلف موضوعات اور مسائل پر گرا
گرم شری مباحث رہتے اور سوال جواب کی شکل میں نوک
جھوک ہوا کرتی اس سے دنیاۓ ظرافت میں بھلا کون آشنا نہ
ہوگا۔

راجہ مہدی علی خاں کی مزاجیہ نظموں میں عورت اور مرد کے
باہمی ربط اور جذباتی ہم آہنگی کے سلسلے میں دلچسپ چھیڑ چھاڑ اور
دل گلی کے ذریعہ صرف حاصل کرنے کی دلچسپ مثال قفرت اور
کورٹ شپ سے متعلق راجہ صاحب کی سدا بہار نظمیں ہیں۔

نگوڑا

تو ہی جا کوئی پسون میں تو بس اب جا جھکی
تو بہ تو بہ کون واں لے جائے میں باز آ جھکی
جب بھی میں اوپر ہوں جاتی
سانے اس کو ہوں پاتی
وہ گھوڑا مجھ کو تک کر جانے کیوں کہتا ہے ہائے
اب کو سون کوئی کیا خاک اس کوئی پچھے پر جائے
دیں دقدہ میں کل گئی جب کیا تماں اُف میرے رب!
شوکت قوانوی اور مجید لاہوری کے بیہاں جوزندگی اور گری
بازار کی کیفیت تھی اس روایت کی دراصل راجہ مہدی علی خاں
آخری کڑی ہیں۔ ان کے بیہاں جوز درشور اور بزم ظرافت کے
ظک شکاف قیچے تھے وہ نہ صرف قسم گئے بلکہ دنیاۓ ظرافت میں
ستانا چھاگیا۔ اتنا زندہ دل یا راش صحت مند شاہزادو کا کوئی بھی
ظریف نہیں۔☆

بچوں کی توبہ

ہم نے بکری کے بچوں کو کمروں میں نچانا چھوڑ دیا
نماض نہ ہوا ہی ہم نے ہر شوق پرانا چھوڑ دیا
ڈینی کے سوت چین کر ہم صوفیوں پر ڈالنیں کرتے
سارے مگر کی بغاووں کو اب ہم نے ہلانا چھوڑ دیا
دادا ابا کا اب چشمہ بکرے کو نہیں پہناتے ہم
تبا ابا کی لشیا کو اب ہم نے چھپانا چھوڑ دیا
اب ہم نے بھی کھانا کھا کر کپڑوں سے ہاتھ نہیں پوچھے
دیکھو کئی دن سے دھوپی نے روٹا چلانا چھوڑ دیا

چور کی دعا

اے خالق ہر ارض و سما وقت دعا ہے
بندے پر ترسے آج عجب وقت پڑا ہے
جس تو یہ ہے کتوں کو سلا رکتا ہے تو یہ
مرے لیے دروازوں کھلا رکتا ہے تو یہ

چار بجے

اٹی ہو گیکیں سب تھہریں سچھ نہ دھانے کام کیا
ای اور ابا نے مل کر جمرا کام تمام کیا

خروکوش کی غزل

کوئی شکاری پار پار بن میں ہمارے آئے کیوں؟
جنکیں گے ہم ہزار پار کوئی ہمیں جائے کیوں؟
کہتا تھا اُک شکاری یہ آئیں گے ہم ضروریاں
جس کو ہوا پنی جان عزیز بن میں وہ گمراہئے کیوں؟

نخشی جو گن خدا کی تلاش میں

آج کل پرده کوئی کرنا نہیں تیرے سوا
چھوڑنے والی ہیں اب ایسی بھی پرده اے خدا
اک تو ان مٹاویں سے ان کے اندازہ بیان کا اندازہ ہو جائے
ہے دوسرے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ظرافت کے لیے

شیفۃ فرحت

بھویاں

راجہ مہدی علی خاں

ادبی دنیا کا ایک نادر جمیلہ

اور یہ طویل علم ماتم کرنے والی خواتین کی بہوں بہوں پر ختم ہو چکی ہے۔ مگر ہم تمن بہن بھائیوں کے قیقہے دریک ختم نہیں ہوتے تھے۔ ٹھیک تھی کہ کسی طرح رکتی نہ تھی۔

تو یہ تھا ہمارا تعارف راجہ سے اور ہم سب ہو گئے ان پر یہ یک وقت عاشق۔ ہمارا یہ جذبہ لکھا ہوا صادق کہ تمہارے عرصہ بعد کروہ ہم سب تھیں کہ ہمارے والد صاحب کے بھی دوست بن گئے جن کی پہنچانی کے رعب دبدبے کے آئے سب کا پہنچتے تھے۔

ماستان دوست بننے کی یہ ہے کہ بی اے کرنے کے بعد سید ہے سید ہے ایم اے کرنے کے بجائے ہم نے لے لیا ڈپھ مہاں جرائم میں داخلہ۔ جرائم والا بہوت اس لیے سوار ہوا تھا کہ ناگور یونیورسٹی نے ۱۹۵۳ء میں اس کا ڈپھ ما کوس میں مرتبہ شروع کیا۔ اس سے پہلے لکھتے میں جرائم کے مرٹی لیکٹ کوئی کام کا انتہام تھا۔ کوئا ناگور ڈپھ میں دینے والی بھلی یونیورسٹی تو ہم نے سوچا کہ اس کے پہلے بھج کے ڈپھ میں بافت کھلانیں۔

اب جب ڈپھ میں لیا تو اسے شہری فریم میں جروا کے دیوار پر نالگنا تو متعدد تھیں۔ ان کا کچھ تحریک معرف بھی ہوا چاہئے (جو حسب روایت تجزی تھی تابت ہوا) لہذا لکھاں نے ایک رسالہ نام کر لیا جو بہوں اور خواتین دلوں کے لیے تھا۔ اس رسالے کے اولی اذواز کرنے والے دل سے لکھنے والے رسالے شاہزاد کے ایک دیگر اور صاحب طرز ادب پرکاش پڑت اُنہوں نے ہمیں کی شہرت یافت شاعر دل اور بیوی تھیں جن میں راجہ مہدی علی خاں کا نام تھا۔ بھی تھا یہاں صرف اعتمادیں کہ راجہ تھی کے علاوہ اس کے لکھنے والوں کی فہرست میں مرزا ادب

آج سے تقریباً نصف صدی پہلے کسی مشہور رسالے میں ایک بہت دلچسپ علم پڑھی جس کا عنوان تھا "ایک چالیسویں پڑھتے ہم تمن بہن بھائی جو پڑھنے پڑھانے سے دلچسپی رکھتے تھے ہتھے ہتھے لوث پوت ہو گئے اور پھر موقع بہ موقع ایک دوسرے کو دیکھ کر اس علم کا کوئی شعر کوئی صدر کوئی صدر دہراتے اور قیقہے لگاتے۔ علم قواب یاد نہیں کہ ۵۰ سال کسی چیز کو بھولنے کے لیے بہت ہوتے ہیں۔ نہ مجھ میں اتنی صلاحیت کہ میں بھرے بھرے مظہوم سے مکمل علم تیار کر دوں۔

جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے لوگ ادھرا در کی باتوں میں لگ جاتے ہیں عرصہ بعد تو دوستوں سے ٹھٹھے کا موقع ہتا ہے۔ باتوں کے ساتھ دبے دبے قیقہے بھی لگتے رہتے ہیں۔ توک جھوک بھی چلتی رہتی ہے۔ تو وہی صاحبہ جو ماتم میں پیش پیش تھیں پاس پیشی خاتون کی پیش پر بھر پور اور گہری نظر ڈال کر شے سے بھر کر فرماتی ہیں۔

اری بویاں تمن سان میں تیرے یہ چھپڑا لکھا تھا مقدر میں میرے بیت حل کے آخری سرے تک بھر لینے کے بعد پارش مولوی کی طرح پرشور ڈکار لے کر حکم دیتی ہیں۔

ذری کھاری بول تو منکا کسی سے کہتی ہیں اری دیکھنا کھانا انہوں نے کیا کہ نہیں۔ پھر یاد آ جاتا ہے کہ وہ یہاں کس تقریب کے سلسلے میں آئی ہیں تو پھر شروع ہو جاتی ہیں:

"بہت نیک بہت خوب و جواں تھا وہ۔"

غرض کجوی کے ایسے ایسے دلچسپ نمونے دکھانے گئے ہیں کہ پڑھنے والے ہستے ہستے بے حال ہو جاتے تھے اور جناب پرے تو پچھے بڑے اور بڑوں کے بڑے مدیر کریں، کو تعریفی خط لکھتے اور حکم دیتے کہ ہر شارے میں راجہ جی کی کم سے کم ایک چیز ضرور ہونی چاہئے ورنہ وہ اپنے اپنے گھروں میں کھانے کی میز یا الال دستخوان کے سامنے بینڈ کر جوک ہڑتاں کریں گے۔

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ راجہ جی آں را وقار تھے کہانیاں، ڈرائے اور نظمیں سب کچھ لکھتے تھے۔ کریں، میں بھی ان کی کئی نظمیں اور غزلیں شائع ہوئیں۔ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

کتابوں سے ڈرتے رہے ہم ہمیشہ
چٹپتوں سے بھوتوں سے ڈرتا نہ آیا
کچھ اس طرح گھبرائے مالی کو تک کر
کہ بیری سے ہم کو اترنا نہ آیا
گدھے کی طرح بار بار مار کھائی
 فقط گھاس ہی ہم کو چرتا نہ آیا
 گئے ذوب دریا میں ہم کھا کے غوطے
 ہمیں نہ میں جا کر ابھرنا نہ آیا
 رسالہ کریں، میں میرے علاوہ میرے بھائی ڈاکٹر محمد اسلم
 میں دھمو خاں صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے خال جو عجیج کے ڈاکٹر ہیں یعنی میڈیکل پریکٹیشنری کا نام بھی
 میری محنت کی حیثیت سے لکھا جاتا تھا۔ راجہ صاحب ہر دوسرے
 تیرے دن انہیں بھی دلچسپ خط لکھتے میری چھوٹی بہن شیم جو
 اب ڈاکٹر شیم علیم کے نام سے مشہور ہیں اور امریکہ میں رہتی
 ہیں۔ اسے بھی وہ خط لکھتے تھے۔ میں نے بہت دنوں تک ان کے
 سارے خطوط سنپاک کر رکھے تھے۔ لیکن وہ جو دیک کی نذر
 ہو گئے۔

آخر ایک پارہم دنوں بھنسی موکی بخار میں بتلا ہو گئے اس کی انہیں اطلاع مل گئی۔ تو ہماری بیماری پر شیم کے نام ایک قلم بھیجی جس کا عنوان تھا "بیمار بن گئے ہیں"۔

ابن انشاء، رضیہ سجاد ظہیر، زیش کارشاو، انور عظیم، سلام محلی شہری پیلا خط ہم نے راجہ کو ہمایہ تیرے چوتھے دن ہی جواب میں کہانی آگئی۔ کہانی کا عنوان تھا "پرندوں کا ریڈی یو ایشن" اس ریڈی یو ایشن کی خبریں آپ بھی سمجھے۔

"ہمارا نام ہے مسٹر کائیں کائیں" اور ہم پرندوں کے ریڈی یو ایشن سے بول رہے ہیں۔ یہ خبریں جمولہ پور، سارس آباد اور موگر سے ایک ساتھ برداشت کا سٹ کی جاوہ ہی ہیں۔ ان کی کالپی راست ایک بوڑھے گدھ کے پاس محفوظ ہے۔ کوئی پچھہ ہماری اجازت کے بغیر اپنے اخبار میں نہیں چھاپ سکتا۔

غرض یہ کہ یہ چھوٹی سی کہانی دلچسپ بھروں سے بھری ہے آخري خبر ہے۔

"جنگل ٹگر کی حکومت نے جنگلوں میں پورٹ لگوائے ہیں کہ جنگ کے زمانے میں جو پرندہ بلیک مارکنگ کرے گایا گھولوں کی گھڑی لے گا سے چھائی کی سزا دی جائے گی"۔

ان کے بعد ان کی جو کہانی آئی وہ تھی آں اٹھیا کجوس کافریں پار خاطر نہ ہو تو اس کی بھی ایک جملک دیکھ لجھتے۔

"دوستوں ناہیں کھوں کہتی ہے ہماری سوسو برائیاں کرتی ہے" حقیقت یہ ہے کہ ہم کجوس نہیں ہیں ہم کنایت شعار ہیں۔ اب

خاں جو عجیج کے ڈاکٹر ہیں یعنی میڈیکل پریکٹیشنری کا نام بھی خیالات کا الہام کریں تالیاں۔ پھر دھمو میاں ایک کالاکٹ

ڈب ملاتے ہوئے اٹھ پر تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں "دوستوں آپ جانتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟" یہ سچے پر دادا کے وقت کے

نام لکھتے ہیں۔ پر دادا جان نے مرتے وقت یہ پختہ دادا جان کے دادا جان نے کنایت شعاری کی وجہ سے انہیں استھان سن کیا

اور مرتے وقت یہ پختہ دادا جان کے نام لکھ کے۔ ہم اکثر ان چنوں کے شوربے سے دو حصیں اڑایا کرتے ہیں۔ پھر چنوں کو جو

دلکشی کر دیتے ہیں۔ میں رکھ دیتے ہیں۔

ہم نے فوڈا پارسل کیا وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہمارا خیال ہے بچوں کی طرح اچھل اچھل کرتا یاں بھی بجاں ہوں گی کیوں کہ اس کے جسم میں بچوں کا سامنہ موم دل تھا۔

خاتمے عرصہ تک ہم لوگ ایک دوسرے سے بے تعلق ہو گئے اور کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ اللہ اللہ ایسی بے خبری کس کام کی۔ میں نے اردو میں ایم اے کر لیا اور بھوپال کے چھارانی گراؤں کا ج میں بحثیت لکھ رہا تقرر ہو گیا۔ اور میں بوریا بستر باندھ بھوپال آگئی۔ میری بھن حنایہ رشوری میں پڑھاتے گئی۔

کرنیں غروب ہوتے ہوتے مجھے مستحدہ اور بٹا گیا اور میرے انشائیے مختلف رسائل خصوصاً میسونی صدی میں شائع ہونے لگے۔ ایک دن مجھے کانج کے پتہ پر ایک موٹا سا لفاظ لٹلا جس میں خط تو کوئی نہ تھا البتہ راجہ مہدی علی خاں کا مجھ پر خاک رکھتا۔ اس میں انہوں نے میری لا غربدنی، بھولنے کی عادت، پڑائے نوٹی کا ذکر بڑی تفصیل سے دلچسپ انداز میں کیا تھا۔ کانج کی دیگر ساقیوں نے اسے سنا اور پسند کیا اور قہقہے لگائے۔

اس کے جواب میں میں نے راجہ پر ایک خاک رکھا۔ جس میں ان کے قبیل ڈول کا خاص ذکر کیا۔ انہوں نے پھر ایک محض سا خاک رکھا جس کا موضوع تھا "شیعۃ فرحت مردوں کی طرح" تو کری کرنے اور کافر نکانے کا نہیں۔ میں نے راجہ مہدی علی خاں سے ایک خط کے ذریعہ پوچھا تھا

کہ آپ کسی ریاست کے راجہ ہیں انہوں نے حسب عادت اس کا دلچسپ جواب یہ دیا کہ "ہماری طرف تالی" کو روک کر تھے جس تو یہ سمجھ لجئے کہ میرے ہاتھ میں چینی رہتی ہے اور میں لوگوں کی جامست نہ کا رہتا ہوں۔

قیچی تو نہیں ان کے ہاتھ میں وہ لوگ فارقہ رہتا تھا جس سے وہ اچھے اچھوں کی جامست بنا دیا کر رہتے تھے اور اس انداز میں کہ لوگ سر جھکائے بیٹھے رہتے اور جوں تک نہیں کرتے تھے۔

بیمار تو نہیں ہیں بیمار بن گئے ہیں خدمت کرا رہے ہیں سرکار بن گئے ہیں جھوٹے بہانے کر کے بستر پر ہم ہیں لیٹے دل میں شرارتیں ہیں سوئے ہیں مذہ پیٹے سچ ہے کہ جھوٹ کا ہم طومار بن گئے ہیں بیمار تو نہیں ہیں بیمار بن گئے ہیں گمراہے کر رہے ہیں ہر بات اپنی پوری چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں کرتے ہیں جی خصوصی ہم آج اپنے گھر کے سردار بن گئے ہیں بیمار تو نہیں ہیں بیمار بن گئے ہیں ہم جانتے ہیں شبیوں کو رہی ہے سوں سوں شتروں کی اول اول شموں کرے ہے چوں چوں چھٹی منا رہے ہیں اتوار بن گئے ہیں بیمار تو نہیں ہیں بیمار بن گئے ہیں رجلہ صاحب بہت زدنویں اور بسیار گوئھے۔ مگر ان کی کوئی چیز معیار میں کم نہ ہوتی۔ ان کی بہت اچھی دلچسپ کہانیاں اور نظریں ہم نے "کریں" کے ساتھے کے لیے محفوظ کر دی گئی تھیں لیکن افسوس کہ ساتھا بھی نکل نہ پایا۔ اور کریں بے نور ہو گئیں۔ راجہ جی کی یہ تصویر میں نے "کریں" کے پس مظہر میں دکھائی ہے کیوں کہ میرا ان سے تفصیلی تعارف اسی کے ذریعہ ہوا تھا۔ لیکن راجہ کی شخصیت صرف یہی نہیں وہ تو ایسا شیش تھے جس کے لا تعداد پہلو تھے اور ہر پہلو کسی نہ کسی سورج چاہدی کرنے سے بہرے کی طرح چک اٹھتا، پٹکارے مارنے لگا۔ سعادت حسن منٹونے اپنی کتاب سمجھ فرشتے میں جو مشہور قلمی اور غیر قلمی بدنام شخصیتوں کے خاکوں پر مشتمل ہے راجہ پر بھی ایک دلچسپ مضمون شامل کیا تھا۔

یہ کتاب غالباً لاہور سے شائع ہوئی تھی اور راجہ کو نہیں پائی۔ مگر ہمارے بھائی صاحب کے ہاتھ لگ گئی۔ جب اس کی اطلاع انہیں دی تو بے تاب ہو کر کتاب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی

جو لائیں ۲۰۰۷ء

رجبہ مہدی علی خاں

مہرباں ہو کے بلا لو

اپنے افسانہ الفت کو سنا بھی نہ سکوں
کیا ستم ہے تیری آنکھوں کو زلا بھی نہ سکوں
آئیں کس بزم سے تم غرق نشے میں ہو کر؟
کیا غصب ہے تمہیں تھوڑی سی پلا بھی نہ سکوں
رعب وہ حسن کا چھایا ہے کہ ڈر لگتا ہے
ہاتھ آ جاؤ اگر، ہاتھ لگا بھی نہ سکوں
مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
نو لا لگدا میں نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ڈر ہے اندر سے نکل کر مجھے پیشیں نہ رقب
آ کے گھنٹی میں تیرے در کی بجا بھی نہ سکوں
تھک گئی ہو تو میری گود میں دے دو پچھے
کوئی بوری یہ نہیں ہے کہ انھا بھی نہ سکوں
کیا کروں میں کہ تیرے کتے سے ڈر لگتا ہے
دست شفقت، تری زلفوں پر پھرا بھی نہ سکوں
پیٹ دوگی مجھے تم بات ہی کچھ اسی ہے
بات جو دل میں ہے وہ تم کو بتا بھی نہ سکوں
تم نہ آؤ گی تو مرنے کی ہیں سو تینیں
عکھیا تم تو نہیں ہو کہ میں کھا بھی نہ سکوں



ریڈر ہبٹ شکوفہ باز تھے اور طرح طرح کی پبلیکیاں چھوڑا
کرتے تھے۔ ایک زمانے میں خواتین کے مشہور رسلے بانوں میں
ایک صفحہ پر طاہرہ کے نام منظوم خط اور اس کے برادر کے صفحہ پر
طاہرہ کا منظوم جواب ہوا کرتا تھا۔ ان خطوط میں میاں بیوی کی
لوک جھوک شکایات ہوا کرتی تھیں پڑھنے والے سمجھتے کہ طاہرہ
ایک فرضی نام ہے لیکن راجہ کے انتقال کے بعد ان کی بیگم کا خط
میرے پاس آیا تو معلوم ہوا طاہرہ ان کی بیوی کا نام ہے۔
ان کی رہائش پالی بھس پاندرہ مہینی میں تھی۔ آپ سوچتے
پنجاب کی کھلی فضاوں میں سانس لینے والا مہینی کے پر شور اور
انسانی جھگل کے ماحل میں کیسی کھلن محسوس کرتا ہو گا۔

قلقی دنیا سے واپسہ ہونے کی وجہ سے انہیں مہینی میں رہنا پڑتا
تھا مگر وہ لوگوں سے زیادہ ملتا جلتا پسند نہیں کرتے تھے۔ میں بھی
کی بار مہینی گئی اور ان سے ملنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ یہ
میں آج تک نہیں سمجھ سکی وہ کیوں مجھے سے مذاہجیں چاہتے تھے؟

سليمان خطیب کے
مجموعہ کلام کا تازہ ایڈیشن

کیبورڈ کاپن

قیمت 150 روپے

ناشر:

سليمان خطیب احمدی ٹرست

خطیب کالج، سیدم روڈ، کٹکشنا

گلبرگہ 583105

ڈاکٹر عبدالقدیر مقدر

نظام آباد

راجہ مہدی علی خاں، ایک جائزہ

- اکبرالہ آبادی نے مغربیت کے بڑھتے ہوئے رجحانات پر گھرے طنز کے دارکے ہیں۔ ان کے ہاں فذی اثر غالب ہے۔ انگریزی تعلیم، آزادی نسوان کے علاوہ انہوں نے مکاری، ریاکاری اور بے ہودگیوں کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ۱۸۷۶ء میں جب "اوڈھیق" سید سجاد حسین کی ادارت میں

منصہ شہود پر آیا تو گویا طزو و مزاج کا ایک دریاساً اٹھا آیا۔ طزو و مزاج کے بے شمار قلمکار اس دور میں ابھرے۔ جزو و ذی کا اردو میں آغاز ہوا۔ اور ہندوستانی طزو و مزاج میں ادبیت پیدا ہوتی رہی۔ سنجیدہ ادیبوں اور شاعروں نے بھی اس صنف پر طبع آزمائی کی اور طزو و مزاج میں شروع و نظم دونوں شانہ پر شانہ آگئے بڑھنے لگے۔ ادبی انتہابات نے جہاں اردو شاعری میں وہی تغیر پیدا کیا وہیں طزو و مزاج پر اس کے نمایاں اثرات روپنا ہوئے۔ چنانچہ حسن حرست نے لاہور سے "شیرازہ" جاری کیا۔ سند باز جہازی کے فرضی نام سے ان کے طنزی مضمائن بے حد مقبول ہوئے اور طزو و مزاج نگاروں کی خاصی تعداد اس کے گرد جمع تھی۔ ان میں عامل ذکر عبدالجید سالک، میر احمدی، عطاء اللہ سجاد، حفیظہ ہوشیار پوری، محمود ناظمی، خضرتی، محمد قاضی، کرشن چھر، میر جعفری، حاجی محمد حق لق، حاجی شمس محمد غوری اور کنھیا لال کپور تھے۔

اردو کے طنزیہ و مزاجیہ ادب کے تیسرے دور میں پھر س بخاری، رشید احمد صدیقی، عجمیم بیک چھاکی، فرحت اللہ بیک، شوکت تقانوی، شفیق الرحمن، مکرتو نسونی وغیرہ قاتل ذکر ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں فکاہیہ کالموں کا آغاز بھی ہوا۔ فکاہی کالم نگاری اور دھرمی اور شیرازہ کی دین ہے۔ داہی کی طرز

کسی قوم کی دنی پنگلی اور اُس قوم کی زبان کی پنگلی کا معیار اس کی ادبی طرافت سے پرکھا جاتا ہے۔ یعنی جس قوم کا احساس مزاج عمدہ ہوگا اس کے ادبی سرمائے میں لطافت اور طرافت اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ اس طرح اس کسوٹی پر ہماری زبان نو خیز ہونے کے باوجود دنیا کی پختہ تر زبانوں میں شامل ہو گئی ہے۔

طزو و مزاج کے معنی محض لبیں پر مکراہٹ بکھر دینا یا کسی پر طعن و تشنج نہیں بلکہ اس کا بنیادی مقصد زندگی کے ایک نئے تناظر، نئی معنویت کا اظہار اور اس کی ترسیل ہے۔ اس میں تجربے کی حدت اور خلوص کی مخصوص شاہل ہوتا طرز میں تیکھا پن اور مزاج میں بے ساختگی اور ساختگی پیدا ہوگی۔ دراصل طزو و مزاج کا بنیادی مقصد تہذیبی اقدار کی صحت مند تقدیم ہے۔ طزو و مزاج کی بالیگی تہذیبی اقدار کے اس شور کا نام ہے جس کے عین میں بلاغت اور طنز میں تیکھا پن ہو۔ یعنی با مقصد طرافت طبائع انسانی کو کشفتہ بنانے کے ساتھ ساتھ قوم کے رجحانات پر بھی اثر اداز ہو کر معاشرے کے انفرادی اور عمومی مسائل کو جلا بخشتی ہے۔ دراصل ادبی طرافت ایک قسم کا گہرا اور موثر مطالعہ حیات ہے، زندگی کی تاہمواریوں، بے اعتدالیوں اور بمحبول روشن کو کھینچنے اور اسکی اصلاح کا خوبگوار طریقہ ہے۔ خواہ یہ تاہموار یا انفرادی، اجتماعی یا کسی جماعت یا پھر حکومت وقت کی کیوں نہ ہوں۔

ہندوستان پر اگریزی حکومت کے اقتدار کی وجہ سے تہذیب و معاشرے پر مغرب کے اثرات نمایاں ہوتے گئے۔ جس نے قوم کو رد و قبول کے ملے طبے رجحانات کی گرفت میں لے لیا۔ ان حالات نے بے شمار موضوعات شاعروں اور ادیبوں کو فراہم کیے

وہ اخبار زمیندار کے ایڈیٹر اور طبع و مراجع کے نامور شاعر و ادیب تھے۔ زمیندار کے علاوہ دکن روپیو اور ستارہ صحیح کے بھی ایڈیٹر تھے وہ عجائب آزادی بھی تھے۔ راجہ صاحب کے ایک بھائی عثمان علی خاں جوان سے چھوٹے تھے اور چار بھائیں عذر اخانم، سلطانی اخانم، خالدہ اخانم اور زبیدہ اخانم بھی علمی شفعت سے مرشار تھے۔ گویا راجہ صاحب کا درہ بھیال اور بھیال دونوں گھرانے علمی وادی گھرانے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم مشن ہائی اسکول وزیر آباد میں ہوئی۔ اس کے بعد گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور سے ایف۔ اے کیا۔ زمانہ طالب علمی سے صحافت کا شوق تھا اور تو پہن ہی سے شعر کہا کرتے تھے۔ آٹھ سال کی کم عمر میں پہائی کے نتیجہ میں یہ شعروجود میں آئے تھے:

بچوں پر قلم کرو قیامت قریب ہے
اب حد سے تم گزرلو قیامت قریب ہے
اک دن فرشتے تم کو بھی پیش گئے گزے
یہ بات یاد کرو قیامت قریب ہے
ہم کو لگئے گی بھوک تو تربوز کھائیں گے
تم جاؤ بھوکوں مرو قیامت قریب ہے
میں سال کی عمر میں وہ صحافت سے وابستہ ہوئے اور بچوں کا رسالہ 'بچوں' اور 'تحذیب نسوان' ایڈٹ کرنے لگے۔ ۱۹۲۲ء میں راجہ مہدی علی خاں آل اخیریار بیوی سے وابستہ ہو گئے جہاں ان کی ملاقات صدر شعبہ نم راشد کے علاوہ میراںی اور اختر الایمان سے ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں وہ سعادت حسن منشوی دعوت پر ممی چلے آئے اور قلندران کمپنی لیڈز میں بھیثیت ڈائیلگ رائٹر کام شروع کیا۔ ۱۹۳۷ء میں قلم "آٹھ دن" کے لیے کے گیت لکھے۔ قلم دو بھائی کے گیت بھی کافی مقبول ہوئے۔ قلم "آٹھ دن" میں اداکاری بھی کی۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۱ء تک وہ فلمی دنیا سے وابستہ رہے۔ اس دوران انہوں نے کم و بیش ۲۷ فلموں کے لیے تقریباً تین سو سے زائد فلمی گیت لکھے۔ جن میں فوجی جوانوں، بچوں کے لیے لکھے گئے گیت کے علاوہ رومانی گیت شامل ہیں، جو آج

شاعری کا دائرہ ہنگامی موضوعات پر مبنی ہے۔ فرقہ کا کوری کی عزایز شاعری ٹیکسٹوں کی زیارتی، زدن و شوہر کی کشش، نوجوانوں کی رومنی پرستی اور فیصلی پلانگ کے گرد ریڑی۔ ماچس لکھنؤی کی عجرویان فیض طور پر اعلیٰ درجے کی حالت تھیں۔ اس دور میں راجہ مہدی علی خاں کا پہلا جمجمہ "معزاب" شائع ہوا۔ انہوں نے ایک طویل عمر میں تک چپ سادھی تھی۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی حوصلہ افزائی پر وہ دوبارہ لکھنے لگے اور گویا ایک طوفان سا آئندہ پڑا اور ہندو پاک کے درماں دجرانہ اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ ان کی عزایز نظموں کے موضوعات عام زندگی کے دائرہ میں سے وابستہ ہیں۔ نوجوانوں، مردو خواتین کی روشن اور اونکی بدلتی ہوئی تفہیمات اور نئے تفہیمات نے راجہ کی شاعری کو خام مواد فراہم کیا۔

راجہ مہدی علی خاں ۲۳ ستمبر ۱۹۱۵ء وزیر آباد ضلع گورنمنٹ (سنجاب پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کی میکم طاہرہ سلطانہ نجی کی بھوجب وہ اپنے آبائی گاؤں کرم آباد میں پیدا ہوئے جہاں ان کے نانا کرم الہی بہت بڑے جاگیر دار تھے اور انہی کے ہام سے یہ گاؤں آباد ہے۔ نیشنل کار شاہد کو دیئے گئے انترویو میں انہوں نے اپنے توپکن کی شرارتیں کے حوالے سے کہا تھا "مش اسکول وزیر آباد ضلع گورنمنٹ کے ماسٹروں سے پہنچ کر اور پونے دو مل پیدل ٹل کر اپنے گاؤں والوں آرہے تھے کہ گاؤں کے قریبی سڑک پر صری پھوٹی زار بہن دوڑتی ہاپنی کا پھی آئی اور کہنے لگی "آج آپ لوگوں کی خیر نہیں۔ دو لوں ماموں جان چھڑیاں لے کر آپ کے خیر مقدم کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔"

یہ گاؤں کرم آباد وزیر آباد سے کوئی پونے دو مل کے قاطلے پر واقع ہے۔ ان کے والد عنایت اللہ خاں شحر فرم تھے اور خود بھی شرک کا کرتے تھے۔ والد جیبہ خانم بہت مقبول شاہزادہ تھیں۔ ان کا لکھنی نام تھا۔ ب۔ صاحب تھا۔ ان کا ایک شعری جمجمہ "تو اے جرم" بے حد محبوب ہوا تھا۔ راجہ مہدی علی خاں کے ایک ماہوں مولانا ظفر علی خاں شعلہ پیان خطیب، بلند پایہ شاعر، ایک اہل درجہ کے مسلم ادیب و صحافی تھے۔

لارڈ سے چاکے میں لایا تھا چار ٹن
دو ٹھنڈی میں بک گئے دو ملا بار میں
میں شاعری کو چھوڑ کر پھوپھو کا ڈالدا
گھر گھر پھروں گا بینہ کے خوشتر کی کار میں
میر کی مشہور غزل کا چیدروڑی ملاحظہ فرمائیں:

بیٹا چاول نہ اس کرے میں تو
نہ چاپی کے لیے سمجھے ٹھلوٹو
بڑی سردی ہے دروازہ نہ کھلو
مرہنے تیر کے آہستہ بولو
ابھی تک روئے روئے سو گیا ہے
غالب کی مشہور غزل پر چیدروڑی ملاحظہ فرمائیں:

عمرت بیوی ہے شوہر میں قا ہو جانا
شہ کہ ہر بات میں شوہر سے خا ہو جانا
روشنیوں سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
پاؤر آیا ہمیں بیوی کا خدا ہو جانا

☆

دل ہی تو ہے نہ سُنگِ خشت درد سے بھر دے آئے کھوں
روئیں گے دن میں آخھدار ساس، ہمیں ستائے کوں
نوٹ قرآن کی جیب سے میں نے اڑائے بارہا
آن کا نہ دل چڑا سکی سوچی ہوں کہ نہ کوں
 غالب کے نہایت سخیدہ، بکرا بکر اور پر عنت تختاں بلخ و
عنی آفریں اشعار کی راجہ صاحب نے نہایت پر لٹک انداز سے
تحریف کی ہے جو کسی عام شاعر کی درتری سے پورے ہے۔ راجہ
صاحب نے بچوں کے لیے بھی نہ صرف خاص درست لکھیں لیکے
بھر دیاں بھی لکھی ہیں۔ جو بے حد عمدہ اور دلچسپ ہیں۔ بچوں
کے لیے ان کے قلبی گیت بھی پڑا ہیں۔

بمانی تحریکِ مورثی کو مور لے گئے
ایاں جو پچا تھا کالے چور لے گئے
یہ قلبی گیت بچوں میں بے حد مقبول ہے۔

بھی مقبول اور زبانِ زد خاص دعام ہیں۔ آخری فلم 'میر اسائیہ' (۱۹۷۶) کے گیت نہایت کامیاب تھے۔ یہ دوران کی ترقی کا دور تھا لیکن موت کے بے رحم پیغے نے انہیں جکڑ لیا۔ ۱۹۵۹ء میں اقبال کا قوی ترانہ سارے جہاں سے اچھا راجہ مہدی علی خاں نے فلم بھائی بہن کے لیے ریکارڈ کروایا۔ جس کے کپوزر این دتا تھے۔ اس کے بعد یہ گیت اس قدر مقبول ہوا کہ قوی ترانہ کا درجہ اختیار کر گیا۔

راجہ مہدی علی خاں بھاری بھر کم جسم کے مالک تھے۔ آخر دنوں میں ذیا بیطس کے مرض میں جلا ہو گئے تھے۔ جسم میں پانی بھر جایا کرتا تھا۔ اس زمانے میں عصری طریقہ علاج نہ تھا۔ وہ حکیموں کے ججوڑ کردہ نئے استعمال کیا کرتے تھے۔ مرض بڑھ گیا تو انہیں ماہم ہاسپل میں شریک کروایا گیا۔ آخر کار دنیا کو ہنسانے والا عظیم انسان ۲۷ جولائی ۱۹۷۶ء کی صبح اس دارفانی سے رخصت ہو گیا۔

راجہ مہدی علی خاں ایک چو مکھے فکار تھے۔ وہ ایک کامیاب صحافی، مترجم، نشرنگار، گیت کار اور نہایت مقبول شاعر و طنزہار تھے۔ تھائیف میں دو شعری مجموعے ہیں۔ 'معزاب' ۱۹۳۲ء میں ساقی بک ڈپورٹی نے شائع کیا۔ دوسرا 'انداز بیان' جس میں شامل تمام نظمیں ہر عمر، ہر طبقہ اور ہر صاحبِ ذوق کے لیے سامان مزاح پیدا کرتی ہیں۔ راجہ مہدی علی خاں نے مشویاں اور طویل نظمیں لکھیں۔ چینی نظموں کو اردو لباس پہنایا، حکیموں کے اشعار اور ٹھرینگوں کے قبرستان کے لیے کتبے لکھے۔ غرض کہ ان کی شاعری ہمہ رنگ ہے۔

راجہ مہدی علی خاں تحریف نگاری میں یہ طویل رکھتے ہیں۔ انہوں نے مزا غالب کے دیوان کے پیشتر حصے کی تحریف کر ڈالی۔ بہادر شاہ ظفر کی مشہور غزل لگانہ نہیں ہے جی مزا اجڑے دیار میں کی چیدروڑی بے حد مقبول ہوئی:

بلکہ نہیں ہے کمی مرا اجرے دیار میں
بجوا کا مردوں کا عالم ناپائیدار میں

تیری نفس جس کی زلفوں پر پریشان ہو گئی
و اجده تمسم کو لکھا:
تیری آنکھوں سے گرا ہے
یہ سمندر یہ بڑا سا آنسو
کرشن چند رکے لیے لکھا:
دو گھروں میں ہندو مسلم اتحاد
زندہ باد اے کرشن چند رکے زندہ باد

رجبہ کی قلمی شاعری

۱۹۷۵ء میں راجہ مہدی علی خاں، سعادت حسن منتو کی دعوت پر دہلی سے میئی چلے آئے۔ اور قلمی صنعت سے وابستہ ہوئے۔ انہوں نے یہاں پہلے ڈائیلاگ رائٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ لیکن ان کے اندر چھپے ہوئے شاعر نے انہیں قلمی شاعری کی طرف راغب کیا۔ راجہ نے قلمی شاعری کو محض ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا۔ وہ قلمی دنیا میں بلبل ہزار داستان کی طرح کم و بیش نہیں برس چھکتے رہے لیکن کبھی ادب کے دامن کو نہ چھوڑا۔ ان کی قلمی شاعری میں ادبی رچاؤ نظر آتا ہے۔ ادبی دنیا میں راجہ مہدی علی خاں ایک طریف شاعری کی حیثیت سے بے حد مقبول تھے لیکن ٹی شاعری میں ان کا رنگ بالکل مختلف ہے۔ سنجیدہ اور عشقی شاعری سے قلم بینوں میں ادبی ذوق پیدا کرنے میں راجہ مہدی علی خاں کا اہم کردار رہا ہے۔ قلم "آٹھوں" کی کہانی سعادت حسن منتو نے لکھی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ اس قلم میں قلم سے وابستہ قلمکاروں کو ادا کاری کا موقع دیا گیا تھا۔ سعادت حسن منتو، اوپنیزرناتھ اشک، اختر الایمان اور راجہ مہدی علی خاں نے کامیاب ادا کاری کی تھی۔ راجہ مہدی علی خاں نے اس قلم کے دو گیت لکھے تھے۔ ایس ڈی برمن نے میوزک دیا تھا ۱۹۷۶ء میں یہ قلم ریلیز ہوئی۔ ۱۹۷۷ء میں قلم "دو بھائی" کے تمام نو گیت راجہ مہدی علی خاں نے لکھے تھے، جن میں ایک گیت جسے ایس ڈی برمن نے غنیت سے سنوارا تھا اس قدر مقبول ہوا کہ راجہ صاحب کی شہرت کے

مشنوی تھہر مشق اور قہر الپیان طنزیہ و مزاحیہ ادب کے لیے ایک بہترین سرمایہ ہیں۔ طویل نظموں میں راجہ مہدی علی خاں عورتوں کی عدالت میں، جس میں خاتون قلمکاروں کو اس ڈرامائی نظم کا کردار بنایا گیا ہے، دلچسپی سے خالی نہیں۔ توجہ ان لڑکے اور بُڑیکوں کی آزاد خیالیوں، بوڑھوں کی عجیب بولہویسوں، مولویوں اور واعظوں کی بولائیجیوں پر راجہ نے بے باکی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے جس کے پڑھنے پر قاری کے چہرے پر خود بخود مسکراہیں پھر جاتی ہیں۔

راجہ مہدی علی خاں کی نشری تصانیف میں 'ملکاویں' کے رومان، "ستارہ سچ" اور "زملاء" (تاول) ترجمہ کی گئی تخلیقات ہیں جو اپنے دور میں بے حد مقبول ہوئیں۔ راجہ صاحب کی یہ تینوں تصانیف رومان آفریں ہیں۔ راجہ مہدی علی خاں کے تراجم کا خاص وصف یہ ہے کہ وہ تخلیق کار کے لفظی ترجمہ پر انعامات نہیں کرتے بلکہ وہ قاری کے انہاں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے الفاظ کو گھینڈ کی طرح پر دیتے ہیں۔ وہ اگریزی، عجیبی، بُرگانی اور مختلف زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔

راجہ مہدی علی خاں نے اہل قلم کے محبوب مشنے کے عنوان سے تیس صدی میں تحریری سلسلہ جاری کیا تھا جس میں ہندو پاک کے مشہور ادیکپیں اور شاعروں کی نقیبات مادتوں اور کمزوریوں کو طبع و جراح کی تحریر دن سے آرائتہ کیا اور اسی طرح خاتون قلمکاروں کو بھی نہیں بخشنا۔ ادبی دنیا میں اس سے ایک تہذیک فتح گیا تھا۔ راجہ مہدی علی خاں کے دویادھ گرفتاریوں میں منتو کا لیٹل اسٹار اور جوال کے علاوہ "عصمت چھٹائی" اور کریٹی بے حد مقبول مفہماں ہیں۔ راجہ مہدی علی خاں کے خلوطاً بھی بے حد پر مزاج ہوتے تھے تھے رام لعل نے اپنی کتاب "حروف شیریں" میں شامل کیا ہے۔ راجہ مہدی علی خاں کے آٹو گراف بھی بہت دلچسپ ہوا کرتے تھے۔ مثلاً

راہ در شکر پیدی کے لیے لکھا:
نیداں کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں

جاؤ اٹھیں گی جیتیا تھی
یاد کرو گے.....
دل میں بسا کر چھوڑ دیا ہے
اپنا ہی گھر بر باد کیا ہے
کیسے دل آباد کرو گے..... اک دن
کھو کر ہم کو پانہ سکو گے
ہوں گے جہاں ہم آنہ سکو گے
کیسے کے آباد کرو گے اک دن.....

(فلم دو بھائی)

ملک کی قسم کے بعد ۱۹۷۸ء میں فرقہ پرستی کی آگ پورے
ملک میں پھیل گئی۔ لیکن قلم اندر ستری تحقیقی اور بھائی چارگی کے
لیے مشہور تھی اور ملک کو محکم کرنے اور ہندوستانیوں میں دلن
پرستی کے جذبات پیدا کرنے کا اس نے پیرہ و اٹھایا، اور ایسکی کمی
فلمیں بیش جن میں نفرت پھیلانے والی بدنسی طاقتیوں اور
اگر ہوں کی سیاسی پالیسی پھوٹ ڈالا اور حکومت کردا اور ان کے
ظالم کی قلی کھولی گئی تھی۔ اس دوران مشہور فلم "شہید" ریزیز
ہوئی۔ راجہ مہدی علی خاں نے اس فلم کے لیے چار گیت لکھے جن
میں دو گانے مقبول ہوئے۔ دلن کی راہ میں دلن کے نوجوان
شہید ہوئیں نوجوانوں میں دلن سے محبت اور اس کے لیے قربان
ہو جانے کے جذبات پیدا کئے گئے ہیں۔ اس گیت کو ملک کے
پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بے حد سزا اور بڑی
خواہش سے ان کا ریکارڈ خریدا تھا۔ پر یہی پریم جی پر دیوبھرتی کیا
" ۱۹۷۲ء میں دلی کے پیشہ اسٹریڈم میں
نکشن منعقد ہوا تھا جس میں وزیر اعظم پنڈت
جواہر لال نہرو بھی موجود تھے قلمی فکاروں سے
اسٹریڈم بھرا ہوا تھا۔ دن موکن، شری رام چهره
کلیان جی وغیرہ لئے میگیٹر نے درود بھری آوازیں
لکے میرے دلن کے لوگوں را آنکھیں بھر لو پانی
کایا تھا۔ اس کے بعد راجہ مہدی علی خاں کا کسا

لیے سگ میل ثابت ہوا۔ اس گیت میں اردو اور ہندی الفاظ کا
خوبصورت امتزاج ہے:

"میرا سندھ پٹنا بیت گیا"

میں پریم میں سب کچھ ہار گئی
بے درد زمانہ جیت گیا
کیوں کالی بدریا چھائی ہے
کیوں کلی کلی مسکائی ہے
مری پریم کہانی شتم ہوئی
نمہرا جیون کا شنگت گیا
چھوڑ کے جانے والے آ
دل توڑ کے جانے والے آ
آنکھیں اسون میں ڈوب گئیں
ہنسنے کا زمانہ بیت گیا
ہر رات مری دیوالی تھی
میں پیا سے ملنے والی تھی
اس جیون کو اب آگ لے
مجھے چھوڑ کے جیون میت گیا
قلمی دنیا میں راجہ مہدی علی خاں نہایت سنجیدہ اور ملک میں شاعر
کے روپ میں رکھائی دیتے ہیں۔ درود کا سارا کرب انہوں نے
اپنی قلمی شاعری میں تخلیق کر دیا۔ اس دور میں بھی شاعری ہر
ٹوٹے ہوئے دل کی دھڑکن بن گئی تھی۔ بھروسہ فراق کی بے تابیاں
کرب کے آنسو، جدا گی کاغم، محرومیاں اور ناکامیاں تھیں اسے
پچھے اس ابتدائی دور کی قلمی شاعری میں نہایاں رہیں۔ ایک اور
گیت میں انہوں نے جدا گی کی ساری کلک گو کچھ اس طرح
سمیت لیا ہے۔

یاد کرو گے، یاد کرو گے
اک دن ہم کو یاد کرو گے
تزوپ گے فریاد کرو گے، اک دن.....
آنکھیں گی جب سادن کی راتیں

خوبصورت انداز سے استعمال کیا ہے۔ اس ایک لفظ میں سارا درد و کرب سث گیا ہے۔

جب چجائے کبھی ساون کی گھن
رو رو کے کرنا یاد مجھے
اے جان تنا غم تیرا
کر دے نہ کہنیں برباد مجھے
وہ راہی ہوں بل بھر کے لیے
گلشن کے سائے میں شہرا
اب لے کے چلی ہے دور کہنیں
اے عشق تری رواد مجھے

(ریشی روہاں)

راجہ مہدی علی خاں کا یہ درد ایک عام انسان کا درد ہیں گیا۔ راجہ مہدی علی خاں کا یہ درد ایک عام انسان کا درد ہیں گیا۔ حالات کے اعتبار سے ہر انسان کسی نہ کسی طرح متاثر تھا چنانچہ معاشرے میں لوگ ٹکین کہانیوں اور گیتوں کو اپنے اپنے حالات سے ہم آہنگ کرتے اور درد کا اظہار گیتوں میں محسوس کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے غم کو باشندہ کا جذبہ، شریک غم بننے اور بنانے میں تکین محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ راجہ مہدی علی خاں کے گیت پے حد مقبول اور زبانِ زد خاص و عام تھے۔

جو ہم نے داستان اپنی سنائی آپ کیوں روئے
ٹیاہی تو ہمارے دل پے آئی آپ کیوں کیوں روئے
ہمارا درد غم ہے یہ، اسے کیوں آپ سہتے ہیں
یہ کیوں آنسو ہمارے آپ کی آنکھوں سے بہتے ہیں
غموں کی آگ ہم نے خود لگائی، آپ کیوں روئے
(وہ کون تھی)

اگر مجھ سے محبت ہے مجھے سب اپنے غم دے دو
ان آنکھوں کا ہر اک آنسو مجھے میری قسم دے دو
تمہارے غم کو اپنا غم بالوں تو قرار آئے
تمہارا درد سینے میں چھپا لوں تو قرار آئے

گیتِ وطن کی راہ میں..... نوجوان شہید ہو گیش کیا
گیا تو پڑت نہرو نے ان دونوں گیتوں کو خوب سراہا۔ (۱)

ایہ فلم کے ایک اور گیت توڑی توڑی رے پچھے میں انہوں نے اگھر یزوں پر بھر پور طھر کیا ہے۔ جو ملک میں فرقہ پرستی کی آگ سلاکر چلے گئے تھے۔ افلام اور بھوک، خوف و ہراس نے عام زندگی کو مغلوب کر کے رکھ دیا تھا۔ ۱۹۵۷ء میں فلم اندر سڑی بھی رہی طرح متاثر ہوئی سیاسی اور معاشری حالات اپنے تھے ایسے حالات میں تھیز بھی ویران ہو گئے۔ فلم والے بھی مصائب سے دوچار ہو گئے۔ راجہ صاحب ان حالات سے بے حد پریشان تھے۔ کوئی کام نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے وطن پاکستان لوٹنے چاہنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ لیکن بیوی زک ڈائرکٹر مدن موہن کو جب معلوم ہوا تو وہ فوراً راجہ صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ انہیں حوصلہ دیا اور اپنی دوستی کا واسطہ دے کر انہیں روک لیا۔ اور قلبی گیت لکھنے پر دوبارہ آمادہ کر لیا۔ راجہ مہدی علی خاں کی ذاتی زندگی ابھیوں، محرومیوں اور ناکامیوں سے معمور رہی اور یہی رنگ ان کی قلبی شاعری میں در آیا۔ انہوں نے اپنے درد و کرب کو ہنسی کے پردے میں چھپائے رکھا۔ لیکن یہی دردان کے گیتوں میں ڈھل گیا۔ فلم عزت کا یہ گیت ان کی زندگی کا آئینہ ہے۔

کیا کیا تم ہے ہیں دو دن کی زندگی میں
قامت نے میری دنیا لوٹی ہنسی میں
لوٹا جمن کسی کا قسمت کی آنکھیوں نے
غم کے چراغ دل میں اب جملدار ہے ہیں
امید جل رہی ہے آنکھوں کی روشنی میں
قامت نے میری دنیا لوٹی ہنسی میں
بھر یاد ہم کو کر لے، ناشاد کرنے والے
ہم نے تھے پکارا، رو رو کے بے کسی میں
روئے کا لفظ راجہ صاحب نے اپنے گیتوں میں نہایت علی

نیت سے مویقار مدن موہن سے ان کی گھری دوستی ہو گئی تھی وہ ایک دوسرے کے بغیر خود کو ادھورے سمجھتے تھے۔ ایک بار راجھ کھوسلنے والجہ صاحب سے ان کی فلم کے لیے گیت لکھنے کی فرماش کی۔ والجہ صاحب نے "جم کا گوارے بریلی کے بازار میں" لکھ دیا اور یہ مقبول گیت ثابت ہوا۔ اسی طرح ایک اور واقع فلم "ڈاکٹر موہن کمار کے ساتھ خیش آیا۔ موہن کار نے فلم "انپریز" کے لیے گیت کی فرماش کی اور پھوٹشن بھی انہیں سمجھا دیا تھا۔ والجہ صاحب نے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ والجہ صاحب نے کسی سے وعدہ کیا اور بھول گئے۔ کیونکہ دن گذرا گئے۔

اتفاق سے والجہ صاحب مدن موہن کے ہاں بیٹھے تھے کہ موہن کمار آگئے۔ والجہ صاحب کو اپنا وعدہ یاد آگیا اور انہوں نے خفت محسوس کی اور جھٹ ایک کاغذ کا ٹکڑا لیا اور بول لکھنے لگے۔ مدن موہن نے ہار مویشم لی اور اس پر دھن بنا دی۔ موہن کمار خوشی سے اچھل پڑے اور یہ گیت اس قدر مشہور ہوا کہ والجہ صاحب کے چچے ہو گئے۔

آپ کی نظروں نے سمجھا پیار کے قابل مجھے
دل کی اے دھڑکن طہر جاں گئی منزل مجھے

جی! ہمیں منظور ہے آپ کا یہ فضل
کہہ رہی ہے ہر نظر بندو پر در شکر یہ

ہنس کے اپنی زندگی میں کر لیا شاہ میجھے
آپ کی نظروں نے سمجھا پیار کے قابل مجھے

پر گنگیں دل پر مرے، آپ کی پر چھائیاں
ہر طرف بجھے لگیں، سینکڑوں شہرناہیاں

دو چہاں کی آج خوشیاں ہو گئیں حاصل مجھے
آپ کی نظروں نے سمجھا پیار کے قابل مجھے

وہ ہر شے جو تمہیں دکھ دے، مجھے میرے ختم دے دو
(آپ کی پر چھائیاں)

آپ کے پہلو میں آ کر رو دیئے
داستانِ غم سا کر رو دیئے
زندگی نے کر دیا جب بھی اُداس
آگئے گمرا کے ہم منزل کے پاس
سر جھکایا سر جھکا کر رو دیئے
آپ کے پہلو میں آ کر رو دیئے
(میرا سایہ)

والجہ مہدی علی خاں کے گیتوں میں سوز و گداز اس حد تک آگیا ہے کہ ناظر کی آنکھوں میں بھی نبی آ جاتی ہے۔ فلم "وہ کون تھی" کی شونک کے دوران سادھنا پر والجہ مہدی علی خاں کا جب یہ گیت فلمایا جا رہا تھا۔ لگ جا گلے کہ پھر یہ طاقت ہونہ ہو، سادھنا اچانک روپڑی اور شونک کچھ وقہ کے لیے روکنی پڑی۔ والجہ کی یہ شاعری نہایت اڑاگیز ہے۔ جو ہر ایک کو متاثر کرتی ہے والجہ مہدی علی خاں کو گیت لکھنے کے لیے خاص وقت یا ماحول کی ضرورت نہ تھی۔ وہ چلتے پھرتے، بیٹھے بیٹھے گیت لکھ دیا کرتے تھے اور یہ گیت فلم کی مقبولیت میں چار چاند لگا دیتے تھے۔ بقول پریم جی پر ڈیور کے۔

"والجہ مہدی علی خاں کو گیت لکھنے کے لیے موڑ کی ضرورت نہ تھی۔ میری فلم "میرا سایہ" کے تائیل سائگ کا جب مرحلہ آیا تو دیکھا کہ تائیگی بیٹھی ہوئی ہیں اور والجہ صاحب نے قریب پڑے ہوئے ایک چھوٹے سے کاغذ کے پر زے کو آٹھایا اور کچھ لکھنے لگے اور مجھے حیرت ہوئی کہ چند منٹوں میں انہوں نے گیت تیار کر لیا۔ ہم نے دوسرے ہی دن یہ گیت ریکارڈ کر لیا۔ تو جہاں جہاں چلے گا میرا سایہ ساتھ ہو گا، مدن موہن جی نے اسے راگ آندھی میں پہلی بار دھن بنا لی تھی اور یہ گیت بہت ہو گیا۔" (۱)

والجہ مہدی علی خاں مویشقی کے فن سے بھی واقف تھے۔ اسی

مجتبی حسین کے باغ و بہار شخصی خاکوں کا تازہ مجموعہ

آپ کی تعریف

مرتبہ: سید اقبال الدین

جس میں پچاس سے زائد مشاہیر کے قلمی چہرے شامل ہیں
صفحات: 315 قیمت: - 300 روپے
ناشر: موڈرن پبلیکیشن ہاؤس نئی دہلی، 9 گولہ مارکٹ
دریار گنج، نئی دہلی ११०००२

حیدر آباد میں لٹنے کا پتہ: ماہنامہ شکوفہ،
بیچلر کوارٹز، معظم جاہی مارکٹ، حیدر آباد۔ ۵۰۰۰۰۱

یوسفی کے فن پر بہسط مقدمہ کے ساتھ مشاق احمد یوسفی کے

۱۲ منتخب مضامین

مختارات یوسفی

مرتبہ: ہروفیسر میمونہ مسعود

صفحات ۲۲۰

قیمت: 200 روپے (ڈاک خرچ علاحدہ)

بتوسط شکوفہ، معظم جاہی مارکٹ، حیدر آباد

حاصل کی جاسکتی ہے

”وفا“ لور جفا“ اردو شاعری کے اہم موضوع رہے ہیں۔ راجہ
مہدی علی خاں نے ایک ہندوستانی عورت کی وفا شاعری کا پرو
اپنے اس گیت میں پیش کیا ہے۔۔۔

ہے اسی میں پیار کی آبرو، وہ جفا کریں میں وفا کروں
جو وفا بھی کام نہ آسکے، تو وہی کہن کہ میں کیا کروں
مجھے غم بھی ان کا عزیز ہے، کہ انہیں کی دی ہوئی جیز ہے
وہی غم ہے اب میری زندگی، اسے کیسے دل سے جدا کروں
جونہ بن سکے میں وہ بات ہوں، جونہ ختم ہو میں وہ رات ہوں
یہ لکھا ہے میرے نصیب میں، یونہی شع بن کے جلا کروں
جہاں راجہ مہدی علی خاں نے درد و غم اور افرادگی کے نفع
گائے ہیں وہی انہوں نے حوصلہ بھی دیا ہے۔۔۔

گردش میں ہوں تارے، نہ گھبراانا پیارے
گروہت نہ ہارے تو ہوں گے وارے نیارے
دنیا ہے سرائے، رہنے کو ہم آئے
آیا ہے تو نہی خوش رہ لے تو بھاں
وہ سودا ہے زندگی جو کائنوں میں گزارے
بلازوں میں دم ہے پھر کا ہے کام ہے
اسکی اڑاوے ہیں اُنکیں ہیں جواں
اوٹکلیں کہاں ہیں، انہیں میرا دل پکارے
راجہ مہدی علی خاں ۱۹۷۷ء تک قلمی گیت لکھتے رہے۔ ان کی
آخری قلم نیرا اسایہ، تھی قلمی زندگی میں انہوں نے جملہ (۳۴۷)
فلوں کے لیے تقریباً تین سو سے زائد قلمی گیت لکھے۔ راجہ
صاحب کو ان کی زندگی میں کامیاب گیت کا کرکی حیثیت سے رانی
دی گئی تھی۔ بعد از مرگ قلم را ہر اسوی ایش بھی نے ایوارڈ
سے نوازا۔ اور یہ ایوارڈ اگست ۱۹۹۷ء میں ان کی بیگم طاہرہ
سلطانی کو پیش کیا گیا۔ آج بھی راجہ مہدی علی خاں کے قلمی نفع
مساہبہ الغوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔

راجہ مہدی علی خاں

میرا پیارا دوست منٹو

ہوں تو آئیے اس کی شخصیت پر کچھ دیر باتیں کریں۔ منٹو کی شخصیت میں سب سے نمایاں اس کی خود پسندی تھی۔ وقار تھا جسے وہ ہر قیمت پر قائم رکھتا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ دیتا جو کچھ لکھ دیتا وہ آخری اور اصل ہوتا اس کی مرضی کے بغیر ایک لفڑا کا ہیر چیز بھی اس کی قوت برداشت سے باہر نہ ہتا۔ مجھے آل اغذیا ریڈی یو دلی کا وہ واقعہ دیا آ رہا ہے جب میں منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، نم راشد، اور اوپندر نامہ اشک سب ایک ساتھ دلی ریڈی یو میں ملازم تھے۔ کرشن چندر ذرا امہ پر وڈیور تھا۔ اشک بھدی سیکشن میں تھا۔ منٹو ریڈی یو کے لیے ڈرائیٹ اور فیچر لکھتا تھا۔ ایک بار کرشن چندر جھٹی پر گیا ہوا تھا۔ منٹو کا کوئی ذرا سر پر وڈیوں کیا جانے والا تھا۔ کرشن کی جگہ ایک معاون (جو خیالی لکھنے سے دلی تبدیل ہو کر آیا تھا) کام کر رہا تھا ان دونوں اشک اور منٹو میں خوب چلتی تھی۔ اشک اس کوشش میں رہتا تھا کہ اس طرح وہ منٹو کو بچا دکھائے لیں گے اسے ایسا کوئی موقع ہاتھ نہیں کیا تھا۔ جب کرشن جھٹی پر چلا گیا تو اشک کی بن آئی۔ اس نے اس نے معاون کو چائے وغیرہ پلاگر اپنے ساتھ کر لیا۔ جب منٹو کا ذرا سر اس معاون کی بیز پر آیا تو اشک کے کہنے پر اس نے اس میں بہت سی تہذیبوں کر دیں۔ اشک جانتا تھا کہ منٹو اس حرکت کو کبھی برداشت نہ کر سکے گا اور اس بات پر طوفان برمبا ہو جائے گا اور ہوا بھی یہاں جب منٹو کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے صاف الناظر میں کہہ دیا کہ ذرا سر بنا کافٹ چھائٹ کے ہی پر وڈا یوں ہو گا درست نہیں ہو گا۔ آخر کار اس اشکن ذرا کٹر ٹکر پہنچی۔ فیصلہ منٹو کے خلاف ہوا۔ منٹو کی خود داری کو حسیں پہنچی۔ اس کی خود

سعادت حسن منٹو۔۔۔ میرا دوست۔ میرا محسن تھا ہم لوگ کی سال تک ایک ساتھ رہے ہیں۔ اس کی خونگوار یاد ہی شدہ میرے سینے میں کلبلا تی رہی ہے۔ میرے دوست جناب کیوں دھیرنے جب منٹو پر ایک مضمون لکھنے کے لیے مجھے مدد کیا تو منٹو کی یاد نے چاہت نے میرے سینے میں سرا بھارا۔ میں منٹو پر کچھ بھی لکھنے کے لیے بیٹھ گیا ہوں۔ میں یہ نہیں سوچ رہا کہ اس پر کیا لکھوں؟ کوئی غصی طاقت خود بخود ہی مجھ سے لکھوائے جا رہی ہے۔ میں اتنا ضرور سوچ رہا ہوں کہ یہ غصی طاقت کہیں منٹو ہی تو نہیں۔ ضرور یہ منٹو ہی ہے۔ میرا پیارا دوست منٹو!

مجھے وہ دن یاد آ رہے ہے جب ہم لوگ ایک ساتھ رہتے تھے۔ ایک ساتھ کام کرتے تھے۔ آل اغذیا ریڈی یو دلی میں، قلمستان میں، شراب خانے میں، بھائی کی چالوں میں، غلیظ ماحول میں۔۔۔

وہ دن کتنے بیارے تھے کتنے اچھے تھے۔ افق کے اس پار سورج کب لکھا اور کب غروب ہو جاتا۔ جیسے اس کا کچھ بھی علم تو نہیں۔ بس مستی تھی۔ زندگی تھی جو اپنے محیط کے گرد چکرات رہی تھی۔۔۔

میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں منٹو کے فن کا ذکر کروں یا اس کی شخصیت کا؟

نہیں۔۔۔ اس کے ادب کو تو آپ نے پڑھا ہے۔ مگر اسی سے اس کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ میں یہاں اس کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھوں گا جس کے بارے میں ممکن ہے آپ بہت کم جانتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کچھ بھی نہ جانتے

پسندی کو دھکا لگا جسے وہ برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے صاف ساتھ فلستان جاتے اور ایک ساتھ آتے۔ وہ عموماً گازی سے اتنے کے بعد دکھریا میں سفر کرتا اور دکھریہ والے کو ہمیشہ اس کی مزدوری سے دوستی یا تمنی گئی مزدوری دیتا۔ اگر میں بھی حرمت کا اظہار کرتا تو وہ کہتا۔ جانے دو غریب آدمی ہے۔

اس کی خود پسندی کی مثال ایک اور مثال ہے۔ جب منشواہور میں عطا تو اس نے پاکستان میں امریکی پالیسی پر بھی کڑی نکتہ جنی کی تحری۔ اس نے لکھا تھا۔ امریکہ سے جو فوجی معاہدہ ہو رہا ہے اسے دیکھا ہے جن سے اس کی کوئی جان پہچان نکل نہ تھی۔ کیوں پاکستان کو غلام ہانے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں؟ منشو اگر کبھی اپنے کسی دوست کو تکلیف میں دیکھتا تو ترب ساتھ ہی منشو نے بھی سام کے ہاتم بہت سے خطوط لکھ ڈالے جن میں امریکی پالیسی پر کڑی نکتہ جنی کی گئی تھی۔ سیاسی طقون نہیں لکھ رہی تھی۔ کھانے پینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں کھلٹی تھی۔ پاکستان میں امریکہ کے ہائی کمشنر نے منشو کے شام کا وقت تھا۔ منشو مجھے لٹنے کے لیے میرے گھر آیا۔ میری غیر پاس اپنی بیجا اور اسے کھلوایا۔ اگر تم ہمارے اخبار کے لیے حالت دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔ جھٹ سے مجھے ہاپھل لے گیا۔ ڈاکٹر مضمون لکھو تو تمہیں ایک مضمون پر پانچ سورو پر معاوضہ دیا۔ نے بتایا کہ مجھے خناق (ذخیر یا) ہو گیا ہے۔ ان دونوں ہم لوگوں سے اشوك کار (فلی اداکار) کے بھی بہت گھرے مراسم تھے۔

منشو جانتا تھا کہ اسے ایک افسانے پر بھیں بھیس روپے مشکل۔ منشو نے جب میرے بارے میں اشوك کار کو بتایا تو اس نے سے معاوضہ ملتا ہے اور اسے ایک مضمون پر پانچ سورو پر معاوضہ ملتا ہے۔ متعذر امراض کے ہاپھل میں مجھے داخل کرا دیا۔ جب تک میں معاوضہ مل سکا ہے اسے مال ٹکلات کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ صحت یاب نہیں ہو گیا۔ منشودن رات میری خدمت کرتا رہا۔ میکن خود پسندی کے جذبے نے دولت کو تحریر دیا اور واضح الفاظ میں کہہ دیا۔ منشو فروخت نہیں ہو سکا۔ یہ تھی منشو کی خودداری۔ جس نے اس کی عظمت میں چار چاند لگادیے۔ منشو کی دوست نہیں دوستی اور رحمتی بھی۔ اس کا دماغ دوڑتا رہا کرتا اور دفعہ وہ تا سپ رائٹر پر بیٹھ جاتا۔ اس کا دماغ دوڑتا رہا کرتا اور کی خاطر دو جان کی بیانی کی تحریر ایک لگادینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ الہیاں جلتی رہتیں اور دیکھتے ہی دیکھتے فخر یا ذرا مسے تیار ہو جاتا۔ جب بھی کسی دوست پر کوئی مصیرت بازی ہوتی منشو اس کی بدرو یہ صرف منشو ہی کر سکتا تھا۔ کرشن چھوڑ رہا اور راجندر سنگھ بیدی تک کے لیے بیٹھ جوں رہتا۔ منشو بھی میں فلستان میں طارم تھا تو اس ان دونوں منشو کے حرمت اگریز مشنی دماغ کے بارے میں سوچتے نے۔ صرف مجھے دہلی ریڈیو سے بھی بلوایا اور فلستان میں ایک عیروہ جاتے تھے۔

امبی توکری دلا دی بلکہ اپنے راتھواں کو بھی، جس نے دہلی منشو جیسا بے باک اور ٹھر راویب اب شاید بھی اردو ادب کو ریڈیو میں اسے تجادہ کھانے کی کوشش کی تھی، فلستان میں پانچ سو نہ طے۔ سماجی مسئلے ہو یا سیاسی۔ منشو نے ہمیشہ ہی بے باک ہو کر روپے نہیں اسے تجادہ کھانے کی کوشش کی تھی، فلستان میں پانچ سو کھسا۔ بھلے ہی اس کے لیے اسے جمل کی کوٹھریوں اور پاگل نہیں میں جب میں منشو کے ساتھ تھا تو ہر روز ہم لوگ ایک خانے کی آہنی سلاخوں کے پیچے بند رہنا پڑا۔ منشو نے سماج پر دل

اسے خود پر یقین کامل تھا۔ سچائی اور ایمانداری کا لہر اتنا ہوا پہنچ
تھا۔ جسے کوئی جھکانیں سکا۔ وہ عظیم انسان اپنے اصولوں پر سے
ہٹا نہیں۔ اس نے کبھی کسی کی خوشنامی کی۔ اپنے حقوق کے
لئے ہمیشہ حق دہلا اے، جھگڑا ہے۔

مخلوب بہت اچھا..... بہت پیارا دوست تھا..... ایک نہایت عی مخلص انسان تھا۔ ایک غرور بے باک ادیب تھا۔ ادبی و فلسفی دینا میں آج بھی ہر کوئی اس کی حکمت کا قائل ہے۔ اپنی منحصری زندگی میں اس نے کافی شہرت حاصل کی لیکن دراصل وہ نہایت عی بد قسمت انسان تھا کیوں کہ ادبی عظمتوں لفاظوں اور نزد اکتوں کے اس تمام ترا اعتراف شہرت و نیک نامی کے باوجود یہ امر بھی کچھ کم النازک نہیں ہے کہ اس کی اپنی زندگی معاشی اعتبار سے ایک دکھ بھری کہانی ہے اور اس کہانی کا اختتام ہب ہوا جب چند سال قبل اپنی زندگی کا یہ علمبردار کچھ تو اپنے سماجی حالات کے اور کچھ اعادوں سے بڑی ہوئی مے روئی کے ہاتھوں وقت سے پہلے کمپری میں رواں کی حمارا کر..... ہم سب سے روٹھ کر روپوش ہو گیا۔ اس کی سوت ہمارے ناخوشوار سماجی حالات میں ایک گمراہی سے۔

منو کا سارے کام ادا ادب دم توڑتی ہوئی ہماری تہذیب
کے مزار پر ایک بکھر ہے۔ اس کے ادب کے باارے میں اعماقی
کراکانی ہو گا۔

آخر میں مجھے ایک ادیب کے یہ الفاظ یاد آ رہے ہیں نبرخٹل
میں ادیب کو توجی بھر کر دادلی تھی تھیں وہ ناکارہ انسان۔ جو اس کی
پشت کے چیخے چیخے چھپا سا تھے چلا آیا تھا۔ خالی ہاتھ تھا دیا گیا۔
ادیب نے ”واہ“ کی آرزو دیکی وہیں گئی۔ انسان نے ”آہ“ کی تھنا کی
وہ نہ لی۔ اور جب انسان کی ہادر ہوئی تو وہ کہیا کر رو دیا۔ یہ
ادیب تھا۔ یہ انسان تھا۔ سعادت حسن مخدوا اے۔

کھول کر نشر زنی کی ہے۔ منشو نے سماجی نقوش کو اس قدر مانجا اتنا صاف کیا کہ وہ خود گرد و نواح کے ہجوم، ریگ دیو کا تاجدار دھکائی پڑتا ہے۔ منشو جب ملکی تقسیم کے بعد پاکستان چلا گیا تو اسے اپنے زندگی کے نہایت عی بربے دنوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے قلم میں شب بھی روز نہیں آئی۔ سیاسی ماہول پر ہٹکرتے ہوئے اس نے لکھا تھا۔ حکومت اور رعایا کے باہمی اختلاط سے (جری اختلاط کہنا صحیح ہوگا) بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن بڑے یعنی ایکٹ اور آرڈیننس قسم کے جن کی شکل و شہابت حکومت سے ملتی ہے نہ رعایا سے۔ میں ان کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ یہ میری بھجھ سے بالاتر ہے۔ میری بھجھ سے بہت سی باتیں بالاتر ہیں۔ میں امریکہ کی زر پرستانہ ملک گیری کی ہوں بھجھ سکتا ہوں۔ بھجھے روں کے ہتھوڑے اور اس کی دراثتی کے نشان کا اصل مفہوم بھجھ میں آ جاتا ہے لیکن یہاں میرے ملک پاکستان میں جو بھجھ ہو رہا ہے میری فہم و اوراک سے بالاتر ہے۔ ہو سکتا ہے جو بھجھ آج میری نظر وہی کے سامنے ہو رہا ہے بہت اوپھا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہت نیچا ہو۔ امریکہ سے جو فوجی امداد لینے کا معاهده ہو رہا ہے۔ اس کو ایک افسانہ نگار کیا کچھے کا؟ ترکی سے پاکستان کا جو معاهده ہوا ہے اس پر ایک کہانی لکھنے والا کیا تبرہ کر سکتا ہے؟ وہ تو یہ بھی نہیں پوچھ سکتا کہ لیاقت علی کے قتل کی تنتیش کا کیا حشر ہوا؟ اس کو یہ سوال کرنے کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی کہ لیاقت علی خان کے قاتمکوں کو کیا سزا ہوئی؟ کہ آخر وہ بھی انسان تھا جو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا؟۔

ان مشکلات اور مالی پریشانیوں کے باوجود بھی منتو کا قلم ڈرہ
ہو کر گندگی، سماج، حکومت، سب کو بے نقاب کرتا چلا گیا۔
حکومت نے اس پر ظلم کیے۔ جھوٹے مقدمے چلائے۔ قانون کی
آڑ میں اس کی آواز کو کھل دینا چاہا۔ اس کے قلم کو توڑ دینا چاہا
لیکن منتو ڈنارہا۔ وہ ان سب کے چہروں کو اسی طرح بے نقاب
کرتا رہا۔ وہ لگبرایا نہیں۔ خوفزدہ نہیں ہوا۔ اس کے جذبات کی
شدت ماند نہیں پڑی۔ اس کی قلم کی روائی میں سستی نہیں آئی۔

رجہ مہدی علی خاں

میں عصمت چختائی اور کر لیے

ایک مرتبہ میں کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، راجھر سنگھ بیدی، مہندر ناتھ، عادل رشید اور طاہرہ سلطانہ تھیں کسی کام سے ان کے بیہان ایک ساتھ بچ گئے۔ میں نے کہا ”خدا جھوٹ نہ بلوائے، تو ہم سات آؤں ہیں۔ آپ آسان سماں نوازی پر سات آدمیوں کی قوس قزح کی بے کار کوش نہ بچجئے۔ ہم لوگ پھر کبھی اس نیک مقصد کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔“

وہ بولیں ”رجہ صاحب آپ کی مکاری میں اچھی طرح سمجھنی ہوں۔ آپ اس لئے نوش دے کر آنا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی خاطر کا خوب اہتمام کروں۔ میں تو آج دال روٹی کھلا کر رخصت کروں گی..... آج ہی!“

میں نے کہا ”اچھا! دال روٹی ہی..... پھر کسی دن کھائیں گے۔“ بولیں ”زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔“

میں نے جواب دیا ”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس ایک سینے کے اندر ہم میں سے کوئی مرنے والا نہیں۔ اگر ہم میں سے دو تین مردگی گئے تو باقی آجائیں گے۔ رہایہ سوال کرے ”سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں۔“ کیا آپ نے سو برس کے لئے راش جمع کر رکھا ہے۔ بڑی سرمایہ دار ہیں آپ!“

”قال تو باقی ملت بچجئے“ ان کا آخری فیصلہ تھا۔

میں نے پھر بہت کی اور کہا ”ایک شرط پر ہم سب کھانا کھائیں گے؟“ بولیں ”کیا؟“ ”ایک جیز آپ کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی ہونی چاہئے۔ پیاری ہی اچھی کی!“ وہ بولیں ”منکورا!“

اور سب نے اس ”خیز“ کا تالیوں سے خیر مقدم کیا۔ معلوم نہیں عصمت بہن کے نوکر جن ہیں یا بھوت۔ آدھے گھنٹے میں نہایت سی پر ٹکف کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے جنم دیا گیا۔ کرشن

اس دن عصمت بہن نے ایک ”پھوڑلڑکی“ نظر آئیں۔ ان کے ارد گرد چاروں طرف کتابیں اور کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ ایک نیچل کلا تھر پر دو اس بجدے میں گری رو رعنی تھی۔ کھڑکی میں سے داخل ہوتی ہوئی عصمت بہن کی ”نین“ بدتریز ہواں نے اٹھا کر کروں کے کنوں میں بہت سے کاغذات بچا دیے تھے۔ ان کے بکھرے اور انہیں گھنگھریاں لے بالوں میں ہواں نے ادھر ادھر سے جمع کر کے نیچے جادیے تھے۔

تنکے چوروں کی داریوں میں تو دیکھئے تھے۔ اور بخواتین کے بالوں میں اب تک نظر نہ آئے تھے۔ وہ خیالات میں غرق ہیں۔ ان کے بالوں میں کوئی تھکر کر کے جائے یا اٹھ جم۔ انہیں دنیا وہاں فیجا کا کچھ ہوش نہ تھا۔

ہم نے انہیں خیالات میں غرق دیکھ کر اک دم ان کو سات سلام زور سے دے مار دیے۔ یہاں ایک وہ چوک پڑیں۔ جو کا ہوا سر انہیں ان کی مسکراہٹ ہمارا خیر مقدم کر رہی تھی۔

ہم ان کے ارد گرد صوفیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ ضروری باتیں کیں۔ کچھ شور چالیا۔ بہت سی بکواس بھی کی۔ اس کے بعد اجازت چاہی تو ایک مخلصاء طور پر خوبصورت تحریکانہ آواز سنائی دی۔ ”کھانا کھا کر جائے!“

میں نے کہا ”کھانا کھانے کا ابھی کیاں وقت ہوا ہے؟“ ”ہو جائے گا“ جواب آیا ”سالوں ہے یارہ تو نہ چکے ہیں۔“

عصمت بہن نے تھوڑی سی کوئی بھی ذال دی ہے تاکہ ادپوں کی قوم میریا بخار سے بچی رہے۔

مہمندرا تھوڑے کریلوں کا لقہ منہ میں ذال کر چلائے۔۔۔ ”سجان اللہ!“ عصمت بہن شرات سے مسکرا کر پولیں۔۔۔ ”جزاک اللہ!“

خواجہ احمد عباس صاحب کریلے چکے کر بولے۔۔۔ ”تم ہے یعنی گراڈ کی! ایسے کریلے تو روں میں بھی نہیں کھائے تھے۔۔۔ تھے نہیں ایسے ہی کریلے پکو اکر کھایا کرتا تھا۔۔۔“

”اور مجھے نا۔۔۔“ میں نے لقہ دیا۔ راجھر سمجھے ہیدی ہے ہوئے مسکرا ہے تھے۔ میں نے ”از راہ کرم“ کریلوں کی ذش ان کی طرف سر کادی، تو بولے۔۔۔ ”میں نہیں کھاؤں گا۔۔۔“ میں نے گرج کر پوچھا۔۔۔ ”کیوں؟“ بھائے ”میرے دھرم میں کریلے کھانا سخت منح ہے“ اور تم سب خس دیجے۔۔۔

عادل رشید نے پلیٹ اپنی طرف سر کائی اور ایک بڑا سا لقہ منہ میں ذال کر کہنے لگے۔۔۔ ”اگر جنت میں ایسے کریلے میں کسی تو میں آج خود گشی کرنے کے لئے تیار ہوں۔۔۔“

مہمندرا تھوڑے بولے۔۔۔ ”کار خیر میں آپ دیر کیوں کر رہے ہیں؟“ اب میں بڑے اہتمام کے ساتھ اٹھا کر کریلوں کی ذش اٹھائی اور بڑے ادب کے ساتھ سر جھکا کر طاہرہ سلطانہ حقی صاحبی کو پیش کر دی۔ انہوں نے جھکا دے کر ذش میرے ہاتھ سے محین لی۔ پھر ایک ”ترجمیں بھری نگاہ“ بھائے پر ذالی اور کہا۔۔۔ ”تکلیف فرمائی کا شکریا۔۔۔“

پھر سب کو نکست دیجئے کے لئے دھرم احرار کریلے منہ میں ٹھونسے شروع کر دیئے۔۔۔ کریلوں پر انہوں نے اس خوشی اور چالی سے ہلہ بول دیا، جیسے یہ کریلے کی پھانگیں نہیں، بلکہ بھری علی خال کے ٹکڑے پیاز میں فرمائی کئے گئے ہیں۔۔۔

دو چار مرتبہ منہ چلاٹے کے بعد دو روپے لگیں۔۔۔

خواجہ احمد عباس صاحب مکرانے لگے۔۔۔ کرشن چند صاحب

چند نے پوچھا۔۔۔ ”آپ کی تیار کی ہوئی ذش؟“ بولیں ”کریلے!“

سب کی حوصلہ نگاہیں کریلوں کی ذش کی طرف اٹھ گئیں۔ اب ہم نے کھانا شروع کیا۔ عمر بھر میں شاید یہ کبھی اس قدر پر تکلف اور لذیذ کھانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ جی چاہا کہ یہیں رہ پڑیں۔

جب ہم لوگ کھانا آدھے کے قریب کھا چکے تو سامنے کریلوں کی ذش پر کبھی ہوئی، خوف زدہ نظر ذالی۔ اس میں بھرے گیلے ادھ پکے کریلوں کو دیکھ کر ایک شندی آہ بھری۔ کوئی سامس داں اس وقت میری اس آہ کا ”درجہ حرارت“ یا ”درجہ انجماڈ“ دیکھتا تو شاید میری آہ کا شمار دنیا کی چند سرد ترین آہوں میں ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ ہم میں سے کوئی سامس داں نہ تھا۔ سب شاعر اور ادیب تھے۔

بہر حال میں نے سر جھکا کر تھوڑی سی ”مرغ بریانی“ پلیٹ میں ذالی اور کھانے لگا۔ کیوڑے اور زعفران کی ملی خوبیوں کے ایک جھوٹکے نے کھا۔۔۔

قیامت میں کے تھالی میں کریلے آنے والے ہیں خوشی کے بعد اب لاکھوں جمیلے آنے والے ہیں۔۔۔ ب瑞انی کا ایک بڑا سا نوالہ منہ میں ذال کریں نے کریلوں کی ذش یہ کہہ کر کرشن چند کی طرف کر دی کہ ”میں سب سے اچھی جیز بعد میں کھاؤں گا۔۔۔ آپ مجھے!“

کرشن چند صاحب نے روٹی کا ایک بڑا سا ٹکڑا توڑ کر اس میں خوب ہرے ہرے رسی بھرے کریلے پیٹ کر کے اپنے افسانہ طراز منہ میں بڑی گرم جوشی سے ٹھوں لئے۔۔۔

میں نے ایک رحم بھری نگاہ ان پر ذالی۔ دنیا بھر کی مظلومیت مجھے آج ان کے چہرے پر نظر آئی۔

بہر حال وہ زور سے بولے۔۔۔ ”ماشاء اللہ!“ میں ان کے چہرے کی مظلومیت دیکھ کر جان گیا کہ کریلے ہرے بھرے ہی نہیں، ”شم چڑھے“ بھی ہیں۔۔۔ اور اختیالا

نے جھلی صاحبہ سے پوچھا۔ ”آپ کو کیا تکلیف ہے؟“ اور بولیں۔ ”نہیں، راجہ بھائی! پہلے روکر بولیں۔“ ”کریں!“ آپ لجھتے تھے!“ میں نے کہا۔ ”نہیں، عصمت بھائی! پہلے آپ!“ وہ بولیں۔ ”راجہ مہدی علی خاں۔۔۔ پہلے تم!“ - میں نے جھک کر پوچھا۔ ”کیا مطلب؟ کیا آپ کو پسند نہیں آئے؟“ فوراً گھبرا کر بولیں۔ ”نہیں، نہیں۔۔۔ بہت بیارے ہیں!“ عادل رشید بولے۔ ”مگر آپ روکیوں رعنی پیارے ہیں؟“ وہ بولیں۔ ”روئیں میرے دشمن!“ میں بولا۔ ”یعنی کہ میں؟“ وہ بولیں۔ ”میں بولا!“ یعنی کہ کہا۔۔۔ ”میں آپ!“ میں نے کہا۔۔۔ ”میں بولا!“ یعنی کہ کہا۔۔۔ ”میں آپ!“

اس کے بعد جس اپنیڈ سے ڈاک خانے والے کارڈ، لفافوں پر مہر لگاتے جاتے ہیں، ہم دونوں کے منہ سے پہلے آپ، پہلے آپ، پہلے آپ۔۔۔ کی گولیاں تراوت چلنے لگیں۔ یہاں تک کہ رات کے نو (۹) بج گئے۔

رات کے نوبجے تک تو میرے ساتھی ہماری اس جنگ سے

خیر میں نے ایک کری کی کمر سے ایک بڑا سا تویہ اٹھا کر اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئیں۔ اور میرے ساتھی اُنھیں ایک ایسا بولنس میں لٹا کر ان کے گھر لے گئے۔

سات روز گزر چکے ہیں۔ ”پہلے آپ، پہلے آپ۔۔۔ کا درد

جاری ہے۔ عصمت بھن کے شوہر نام اور مشاہد لطیف صاحب پارہا

پاکی خانے والوں کو ٹیکی فون کر چکے ہیں۔ لیکن ہماری خوش قسمی

سے بیشہ جواب آتا ہے۔۔۔ ”رینگ نمبر!“

آج آٹھواں دن گزر رہا ہے۔ کریلوں کی ڈش اب تک

ہمارے سامنے میز پر رکھی ہے اور ہم پہلے آپ، پہلے آپ۔۔۔

کہہ کر ان تاریخی کریلوں کی ”پوچا“ کر رہے ہیں۔

بیچارے کریلوں پر اب تو پچھوندی بھی آجھی ہے۔ لیکن

جان بوجہ کرایے کریے تیار کئے تھے اور ان میں تھوڑی سی کوئین

تھی جیش کردار اور تھی۔ بولیں۔۔۔ ”آپ لجھتے ہار بجہ صاحب!

میں تو روز کھاتی ہوں۔ آپ نے کھانا ہی بہت کم کھایا ہے۔۔۔

میں نے کہا۔۔۔ ”نہیں، نہیں۔۔۔ پہلے آپ لجھے!“ وہ

بولیں۔۔۔ ”کمال کر رہے ہیں، آپ لجھتے تھا!“ میں نے اپنے

دالہیں آکر بڑی محنت سے کھتی ہیں۔۔۔ ”میرے ضدی بھائی۔۔۔

چھرے پر مغلومت طاری کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ”نہیں، عصمت۔۔۔ پہلے آپ۔۔۔ میں کہتا ہوں۔۔۔ ”میری بیاری ضدی بھن۔۔۔

میں نے جھک کر پوچھا۔ ”کیا آپ کو پسند نہیں آئے؟“ فوراً گھبرا کر بولیں۔ ”نہیں، نہیں۔۔۔ بہت بیارے ہیں!“ عاصمت خانم! پہلے آپ!“ وہ بولیں۔ ”راجہ مہدی علی خاں۔۔۔ پہلے تم!“ - میں نے کہا۔۔۔ ”میں بولا!“ یعنی کہ پہلے ہیں؟“ وہ بولیں۔ ”روئیں میرے دشمن!“ میں بولا۔ ”میں بولا!“ میں نے کہا۔۔۔ ”میں بولا!“ یعنی کہ کہا۔۔۔ ”میں ارب تھانوں نیکی دے۔۔۔ نجیک سمجھے او۔۔۔“ ہم سب ان کے جنگی لباس پر ہنس دیئے۔ میں نے پھر شہزادت کی اور کہا کہ ”جان کی اماں پاؤں تو یہ پوچھوں کہ آپ اپنے آنسوؤں سے میز کیوں خراب کر رہی ہیں؟“ ڈاٹ کر بولیں۔ ”میں نہیں رورہی ہوں جی! آنکھوں سے نزلے کی وجہ سے پانی بہر رہا ہے۔“

خیر میں نے ایک کری کی کمر سے ایک بڑا سا تویہ اٹھا کر اس منظر کی اٹھا کر کھڑکی سے باہر ساتھی اُنھیں ایک کیل میں الجھ کر رہ گیا۔ ورنہ سمجھنے مرک پر سے اٹھا کر لانا پڑتا۔

عصمت بھن اس منظر سے بہت مختوف ہوئیں۔

خیر، اب میں نے سب لوگوں کو ڈاٹ پالی کر آپ لوگ ہرے بیتلز نہمان ہیں۔ جس ہستی نے یہ لذیذ چیز تیار کی ہے، اُنے کوئی پوچھوئی نہیں رہا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ہری محبت اور شفقت سے کریلوں کی ڈش عصمت بھن کی طرف سر کادی۔

عصمت بھن جو کریلوں کی لذت سے شاید پاوری ہی خانے میں آشنا ہو چکی تھیں اور تھیں نے ہمارا اعتماد دیکھنے کے لئے جان بوجہ کرایے کریے تیار کئے تھے اور ان میں تھوڑی سی کوئین تھی جیش کردار اور تھی۔ بولیں۔۔۔ ”آپ لجھتے ہار بجہ صاحب!

میں تو روز کھاتی ہوں۔ آپ نے کھانا ہی بہت کم کھایا ہے۔۔۔

میں نے کہا۔۔۔ ”نہیں، نہیں۔۔۔ پہلے آپ لجھے!“ وہ

بولیں۔۔۔ ”کمال کر رہے ہیں، آپ لجھتے تھا!“ میں نے اپنے

دالہیں آکر بڑی محنت سے کھتی ہیں۔۔۔ ”میرے ضدی بھائی۔۔۔

چھرے پر مغلومت طاری کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ”نہیں، عصمت۔۔۔ پہلے آپ۔۔۔ میں کہتا ہوں۔۔۔ ”میری بیاری ضدی بھن۔۔۔

میرے دوستوں کے ٹیلی فون ہر روز آتے ہیں۔ جب انھیں

معلوم ہوتا ہے کہ اب تک وہیں ہوں اور کریمے میز پر رکھے ہیں،
جاری ہے۔ ”اے خدا! مردوں کی عزت تیرے ہی ہاتھ میں
تو فس کر ٹیلی فون بند کر دیتے ہیں۔

عصت بہن انہیں ابھی باور پھی خانے میں گئی ہیں۔ میں نے
ایک سخنڈی آہ بھر کر تین منزلہ مکان کی کھڑکی سے جھانکا ہے۔

”اے خدا! یہ مردوں کی عزت کا سوال ہے۔ اے خدا!
تو نے ہمیشہ مردوں کی مدد کی ہے۔ اے خدا! تو نے مردوں کو
صنف لطیف پر ظلم کرنے کے پورے پورے سامان مہیا کر کر
ہیں۔ اے خدا! اس موقع پر بھی میری مدد کر، ورنہ میں اپنی قوم کو
کیا مشکل دکھائیں گا.....“

اے خدا! عصت بہن کبھی نہ جیتنی!

اے خدا! وہ جلدی سے ہار کر کریموں کا
ایک لقہ منہ میں ڈال لیں۔ صرف ایک لقہ
آئیں۔ ثم آئیں!!

پہلے آپ!“
”صنف لطیف“ کی ”صنف کرخت“ سے جنگ اب تک

ہے۔ عصت بہن تو اپنے گھر میں ہیں۔ غسل بھی کر آتی ہیں،
نئے کپڑے بھی پہن آتی ہیں، کھانا بھی کھا آتی ہیں، ٹیلی فون بھی
ائینڈ کرتی ہیں۔ میری بُری حالت ہے۔ عصت بہن ان آٹھ
دنوں میں آٹھ ساریاں بدل چکی ہیں۔ میرے کپڑے قیدیوں کی
طرح گرد و غبار سے میلے چکت ہو چکے ہیں۔

سرگرد و غبار اور تکنوں سے اٹ چکا ہے۔ آٹھ دن سے شیو
نہیں کیا۔ داڑھی بڑھ گئی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ جب یہ داڑھی
بڑھ کر ایک فٹ ہو جائے گی، ”پہلے آپ..... پہلے آپ.....“ کہتا
ہوا ج کو چلا جاؤں گا۔ شاہد بھائی نے کمی مرتبہ کریموں کی ڈش
اخاکر باہر چکنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہم دونوں نے ان سے
ہاتھ پاپی کر کے ہمیشہ یہ ”متاع عزیز“ ان سے چھین لی ہے۔

نامور مزار مجتبی حسین کی شخصیت و فن کا جائزہ مجتبی حسین کے مضامین کا دلچسپ انتخاب شگوفہ کی ایک صفحہ دیا گا رخصوصی امداد

مجتبی حسین نمبر چند جلدیں دستیاب ہیں

شگوفہ، معظم جامعی مارکٹ، حیدر آباد

قیمت: ۱۵۰ روپے۔ بھروسہ ڈاک خرچ

ہماری ویب سائٹ samurdu.com ملاحظہ کریں

SAM کمپیوٹر سس

فون نمبر اور ای میل اڈریس

موباائل: 9246 54 3027

رہائش: 6671 3027

m_basharath@yahoo.com

انٹرنیٹ پر اردو ویب سائٹ بنانا ہو
یا اپنے مجموعہ کلام / مضامین انٹرنیٹ پر
ڈالنے کے لیے ہم سے ربط پیدا کریں

23-2-186 رو رو عشرت محل، محل پورہ، حیدر آباد

ای میل: samurdu@yahoo.com

رجہ مہدی علی خاں

مشہور اعلیٰ قلم کے

محبوب مشغلو

پلس نہ گئی ہوں تو آندز رائے ملا کے مشغلوں میں مندرجہ ذیل
اضافہ کر لیجئے۔

”فتی و اڑھی چاکر مسجدوں میں اذان دینا۔“

یہ معلوم کر کے سرت ہوئی کہ آپ آل اٹھیا اٹھی پیرز کا فرض
کی انتظاریہ بھی کے اجلاس کے بعد گواسے بھی تشریف لارہے
ہیں۔ آپ نے میرے ہاں قیام نہ کیا تو یاد رکھئے! آپ کی خبر نہ
ہوگی۔ میں نے بھی کے تھیکداروں سے منوں کے حساب سے
مرغ و مایہ کے ٹینڈر طلب کر لئے ہیں۔ آتے وقت اگر ممکن ہو تو
مندرجہ ذیل چیزوں لے آئیے۔ (۱) مرچوں کے اچار کے دو
ڈبے (۲) شہد بشرطیکہ خالص ہو (۳) جبھی طوہ (۴) بغیر نمک
والی بیٹیاں (۵) اچار شلفم (۶) خوشتر گرائی ذھانی میں اور
ہاں! آپ کی بہن ظاہرہ آپ کو اور بھا بھی صاحب کو سلام لکھواری
ہے اور ”فتیر خانہ“ پر آپ کو آنے کی دعوت دے رہی ہے۔

تمض..... رجہ مہدی علی خاں

☆

سلیمان ارباب (حیدر آباد)

بادر بار کسی ضروری کام سے بھی آنا، بھی آکر بھول جانا کہ
کس کام سے آیا تھا۔ اکثر ڈانصاری صاحب کے گھر جاؤ تھا۔ ڈانصاری
صاحب کے گھر کو رجہ مہدی علی خاں کا گھر سمجھ لیتا۔
انصاری صاحب کو بار بار ”رجہ صاحب“ کہ کر پکارنا اور کہنا کہ
آس کی تحریک معلوم کر کے بعد مدد مدد اور ذکر ہوا۔ ہمارا ملک
تحریک سے اقلاتی ترقی کر رہا ہے۔ جب قوم کے لیے درجہ روزا کو بن
سکتے ہیں، تو ہم ان کے تھش قدم پر کوں نہ جلیں گے۔ بھی میں
صاحب کے گھر چلے جانا اور عزیز قیسی صاحب کو ڈانصاری کوچھ
لیتا۔ ملادی رات شفیل ہے جاری رکھنے کے بعد ڈانصاری
صاحب کے بیان داں آ جانا۔ اسی طرح ڈانصاری صاحب
کے گھر سے عزیز قیسی کے گھر تک اور عزیز قیسی کے گھر سے ڈا

۲۷ / مارچ ۲۰۰۶ء

حضور والا جناب ”بیسویں صدی“ صاحب اطروہ مزاہ علیکم
بھی ابھی آپ کو ایک ایک پرسیں ڈیوری لیٹر پوسٹ کیا
ہے۔ خط پوسٹ کرنے کے بعد آپ کا گلائی نامہ طا، جس میں
آپ نے دہلی میں نمک کی حالت کا نقش کھینچا ہے۔ اتنا ہمگانیک
کھانے سے تو مر جانا ہوتا ہے۔ اس سے تو اچھا لیکھا ہے کہ بھی
میں نظر آنے والے نمکن چھروں سے نمک کمرچ لوں میں
خود ایک آدھا ہاتھ پاکستان جانے والا ہوں۔ میر بھر کے قریب
شاید لانے کی اجازت ہے۔ یہ معلوم کر کے بے حد افسوس ہوا
کہ میرے خود ری خلوط بھی دفتر والے آپ کو اتنی دیر سے دیتے
ہیں، لیکن عالمگیری دفتر والوں کا قصور نہیں۔ آپ نے ہدایت کر رکھی
ہوئی کہ رجہ مہدی علی خاں کے خدا ایک دفتر نمک دراز میں رکھنے
کے بعد آپ کے حوالے کئے جائیں۔ سرکار اگر میں آپ کو
تاردوں کے قلاں تاریخ کو سیر الانتقال ہو رہا ہے۔ آپ قلاں تاریخ
کو بھی آکر نماز جنازہ میں شامل ہو جائیے۔ اور دفتر والوں نے
یہ خدا ایک نام کے بعد آپ کو پہنچاں تو اس عرصے میں کہتے بلائ
قبر میں محس کر میری لاش کھا بھی ہوں گی خدا کرے میرا وہ
خدا جو میں نے آپ کو اسی بھی بیجا ہے، آپ پڑھ لیں پیارے
بیکھرا کرشن کار کے بیجان چوری کا جو فسونا ک داندھ میں آیا،
آس کی تحریک معلوم کر کے بعد مدد مدد اور ذکر ہوا۔ ہمارا ملک
تحریک سے اقلاتی ترقی کر رہا ہے۔ جب قوم کے لیے درجہ روزا کو بن
سکتے ہیں، تو ہم ان کے تھش قدم پر کوں نہ جلیں گے۔ بھی میں
بھی آتے دن اسی طرح کے تک اس سے بھی زیادہ خونا ک
عادتات ہوتے رہتے ہیں۔ خدا ہم سب کو پچائے ایک
ضروری بات یاد آئی۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو اور کاپیاں

غیر ملکوں میں جا کر بڑے خلوص، بڑی محنت سے نجٹے نئے دوست ہانا۔ لاہور واپس آ کر ایک آدھ مہینہ ان سے بڑی خلاصانہ خط و کتابت جاری رکھنا۔ ان پر ظاہر کرنا چیزیں وہ ان کے بغیر ایک منٹ بھی زندگی نہ رکھ سکتی گے۔ کچھ عرصے کے بعد طالبِ احمد اُن سے اکتا جانا اور انھیں لکھ دینا..... "الو کے پھوا بہند کو خط و کتابت میں تم لوگوں سے بھی آگیا ہوں۔ تم تو بھی ہی پڑ گئے۔"

سچ اُنھوں کر پہنچ ہی پر ایک انگلی لینا۔ پھر ایک جماعت کر "ایا خیام" کا نعروہ لگا کے پہنچ پر سے کو پڑتا تو کو بلکہ جسم پر و سکلی کی ماش کرنا۔ پیر سے غسل کرنے کے بعد شکریوں کے دو دو قطرے کافنوں اور تاک کے تنخون میں پھپکا اتھے پھرے چکن کر ڈشتے میں چھبوٹیں بیر کی پی کر اور دو کباب کیا کر دفتر جانے کے لئے تیار ہو جانا۔ جانے سے پہلے تو کسے کہنا۔ بیٹھ کی جائے ذرا امیرے کپڑوں میں اسپرت لگاؤ۔

شام کو دفتر سے گھر آتا۔ شراب کو زیادہ نہ آور ہاتھ کے لئے اس میں افیم اور دھنورا ملا کر مولویوں کے سامنے بیٹھ کر پھا اور کہنا۔ یہ شراب نہیں، "شراب دھنورا" ہے جو جائز ہے۔ پھر عالمِ مستی میں شاعری کے دریا بہاریں نہ نہ کام ملاحظہ ہوں۔

قہیوں کرنسے پیتا تو سے خانے کہاں جاتے۔ صراحی کس کے منہ لگتی؟ یہ ٹیکنے کہاں جاتے۔ بہت سے ساقیوں کو گرفتہ میں پیش دیا کرتا۔ تو یہ مخصوص اپنا ہاتھ پھیلانے کیاں جائے۔ ہزاروں ہی حسینوں کی کتابت روزہ کی میں نے نہ میں، ہذا تو چارے یہ بک جانے کیاں جاتے۔ کروڑوں مددوں کے سر پر میرے ہی دوپٹے ہیں۔ نہ میں ہوتا تو یہ تاک اپنی کٹانے کہاں جاتے۔ بہت سے گیت کاروں نے میرے نشے ہمالے ہیں۔ نہ میں ہوتا تو پھر یہ گیت لکھوانے کہاں جاتے۔

انصاری کے گھر تک مسلسل پندرہ روز تک آتے جاتے رہنا اور بھول جانا کہ میں کہاں ہوں اور کیوں آیا تھا۔

سرٹک پر سے گزرتی ہوئی ایک بارات کو دیکھ کر اور بینڈ باجوں کی آواز سن کر عالمِ مستی میں دوست احباب سے پوچھنا "دوستو! کیا بھی میری بھی شادی ہوئی تھی؟ اگر ہوئی تھی تو میری دہن کہاں ہے؟ پچے کہاں ہیں؟ اُن کے نام کیا کیا ہیں؟ کتنے بڑے ہو گئے ہیں؟ اسکوں میں پڑھتے ہیں یا نہیں؟ شراب تو نہیں پیتے؟"۔

دوستوں کا ہاتھ پکڑ کر انھیں حیدر آباد کی فرین میں زبردستی سوار کر دینا۔ گھر پہنچ کر اپنی بیگم صفیہ سلیمان اریب کو بھول جانا۔ انھیں سردار کنور مہندر سنگھ بیدتی سمجھ لینا اور کہنا "سردار جی! آپ کب تشریف لائے؟" بیگم کا انھیں حیرت سے ٹکتا۔ سلیمان صاحب کا پندرہ دن تک بے ہوش پڑے رہنا۔

اُن کا سب سے اہم مشغل ہے ماہنامہ "سما" کو بڑی باقاعدگی سے بے قاعدہ نکالنا۔ ادب کے کاروبار میں خسارے اٹھانا اور "اف" نہ کرنا (فرصت نہ ہونے کی وجہ سے)۔ نشیات سے پرہیز نہ کرنے پر اپنی بیگم سے ڈانش کھانا۔ تک آکر پیانو پر یہ نشے فھادوں میں اڑانا۔

ملتی ہے خونے صفیہ سے نار احتساب میں مسلم ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں کھاتا ہوں کتنی ڈانشیں میں بیگم سے کیا کہوں کمزور ہوں بہت ہی میں علم حساب میں خود مخالف کو لکھا ہے تھوڑی سی سچی ادھار میں جانتا ہوں کیا وہ لکھے گا جواب میں مجھ تک کب "اُس کی" بہم سے آتا تھا کوئی جام ابو نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

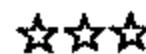
قیل شفائی (لاہور)

کبھی قتل ہو جانا۔ کبھی قتل کر دینا۔ کبھی خود پیار ہونا۔ کبھی دوسروں کو پیار کر دینا۔ کبھی شفائن جانا۔ کبھی شفائن کی بھیک مانگنا۔

دھوپ میں بیٹھ کے اشکون کو سکھایا میں نے



قلق تونسی (دلی)



جگد لیش بمل (حیدر آباد)
افسانے پڑھنا، افسانے لکھنا، افسانے کھانا۔ افسانے پڑھنا۔
افسانے سنانا۔ افسانوں کے خواب دیکھنا۔ جسم افسانہ بن جانے
کی کوششیں کرنا۔ دوستوں سے ناراض ہو جانا کہ کہنے میرے
افسانوں کی تعریف کیوں نہیں کرتے۔ جانی دشمنوں کے منہ سے
اپنے افسانوں کی تعریف سن کر ان کا جان خار دوست بن جانا۔
چیزے کے اقتدار سے برتن خریدنا۔ برتن پیچنا۔ برتن توڑنا۔ برتن
چھانا۔ برتن قلقی کرنا۔ اشمن لیس اسٹل کی پتیلیاں سر پر مار مار کر
خود کھنی کی کوشش کرنا۔

نوٹ گھننا۔ مسلمان دوستوں کی محبت کی وجہ سے حباب میں
کمزور ہو جانا۔ نوٹ گھنے گھنے کھنے بھول جانا۔ غصے میں آکر
دوٹوں کی گڈیاں آٹھا آٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دینا۔ کھڑکی
سے نیچے جھاٹکنا کہ کون آٹھا رہا ہے۔ آٹھانے والے سے کہنا۔
”بھائی! اتا تھروک کر خرچ کرنا۔ میری خون پیسے کی کمائی ہے۔“



امتیاز علی تاج (لاہور)

زندہ چاویہ کتاب ”ماہار کلی“ لکھنے کے بعد لکھنے سے توبہ
کر لیتا۔ توبہ کے بعد ہاتھ میں تسبیح لے کر مصلی پر بیٹھ کر توبہ و
استغفار پڑھتے رہتا اور پرانے زمانے کی روپیلی یادوں کو وقتاً فوت
دریائے راوی میں پھکھواتے رہتا۔ اپنے پیارے پرچوں ”بھول“
اور ”تہذیب نسوان“ کو سالہا سال تک ایڈٹ کرنے اور کرانے
کے بعد اُنھیں قبروں میں زندہ دفن کر دینا۔ ان کی قبروں پر فاتح
پڑھتا۔ پھوں اور عورتوں کے پرچوں کے ایڈیٹردوں اور مالکوں
سے آہ بھر کر کہتے رہتا.....

مَنْ نَهْ كِرْدَمْ شَمَارْ خَذْرْ يَكْنِيدْ
اَدَبْ كَا دَامْ چَحْوَرْ كَرْ بَلْ يُو اُورْ قَلْمَ كَا دَامْ تَحَامْ لَيْتَكْ..... اَكْثَرْ يَهْ
شَعْرُ دَوْرَ زَهَانْ رَكْنَـا.....

تو نہ شریف چاکر اپنے بد معاش دوستوں کی اصلاح کے
لئے دعا میں کرنا۔ ان کی عاقبت کی گلگرنا۔ گلگر کے ساتھ ساتھ
”ذکر“ کرنا۔ بات بات پر کہنا کہ ”میں تو ایک بہت ہی معمولی
آدمی ہوں۔“ دل میں کہنا ”میرے سعادتیاں سب کہنے اور
ردیل ہیں۔“ ذکری ”لکاب“ کے چھپے ہوئے فارموں پر دوستوں کو
خدا کو اللہ کر خیانت بھرمانہ کا مر جگب ہونا۔ پکڑانہ جانا (اس مضمون
کی اشاعت کے بعد بھی تجھے جانا)۔

بد خلی میں قبول پر اخراج میں کرنے کی کوششیں کرنا۔ اپنی
حریریں عدالت کے بھروسوں کو پیسے دے دے کر پڑھوانا۔

رات کے ایک بیجے ناقدری عالم پر رونا۔ رات کے دو بیجے
غضنے میں آکر سڑکوں پر ٹھاپ ہرہنا۔ رات کے تین بیجے اپنے گمراہی
چھٹت پر کھڑے ہو کر چلانا۔“ اے حکومت! ہندوستان میں
ادیب اور شاعر بھوکے مرتے ہیں۔“ دنیا کے جگل میں بننے
والے الودوں سے ملاقات کرنا۔ ان کی ”آر جیاں“ اُنہارنا اور
کہنا۔“ دوستوں آپ بہت حمل مند ہیں۔“ گھوں کو سامنے
بٹھا کر اپنے طنزی اور ہزار ہزار مفہامیں سنانا۔ ان کی دیجھوں دیجھوں
سننا۔ آہیں بھرنا۔ جگل میں آکھیں بند کر کے جراحت کے
جمدے گاڑنا تاکہ خود قلق تونسی کو اپنے فن کی ہندی نظر سے
آسکے لوگوں کو حصیں دے دے کر بیعنی دلانا کہ قلق تونسی
جالی ہے۔

ہندوستان، پاکستان، ایران، افغانستان، ترکستان، آسٹریلیا،
افریقہ، امریکہ، انگلینڈ، وغیرہ کے پرچوں میں مفہامیں لکھنا،
ایڈیٹردوں کو تاکیدی خواہ کرنا کہ ”اگر مجھے میرے مفہامیں کا
معاونہ دیا تو اچھا ہو گا۔“

اُداس رہنا، غرب رہنے کی کشش میں مصروف رہنا۔ دھوپ
میں بیٹھ کر آنسو بہانا اور کہنا.....
ایک رہمال تلک گمراہ میں نہ پایا میں نے

کرنا۔

اویس اور شاعروں کو ڈالنا۔ لٹتے ہوئے اویس اور شاعروں میں عارضی حکمی کرنا۔ جن اویس اور شاعروں کے تعلقات اچھے ہیں، انھیں آجیں میں لا راوی نہ۔

اچھے محلے لوگوں کو یقین دلانا کہ وہ سخت پیار ہیں۔ انھیں زیر دستی دھکنے دے کر، پتال پہنچانا یا ایک بولش کار میں سوار کر کے خود پتال پہنچا آتا۔ بعد میں ان کے مرغی کی دعا کرتے۔ مرغی کی خبر سن کر کرنا۔..... ”اے بھوڑا مر گیا۔“ حکومت کی طرف سے اپنے اپر فاشی کے مقدارے چلوا کر تباشد کرنا۔

عوام کی طرف سے اپنے اپر پہنچ عزت کے مقدارے دائر کرائے عدالت کے فیصلے کا بڑی بے پرواہی سے انتشار کرنا۔ جیسے کچھ ہمایی نہیں۔ شکیوں کے بے شمار کام چھپ کر کر اور ان کا چرچانہ کرنا۔ ثوست پر محسن یا جام کی بجائے لپ اسٹک لگا کر کھانا۔ لپ اسٹک اور شکر کے قوام میں ثوست ڈال کر اکے انھیں فرنگی ثوست کہہ کر کھانا۔

بودھوں کو مرد خداوند کے برادر یا آن سے زیادہ سوچل بنتے یا انھیں سوچل حقوق حاصل کرنے کی تلقین کرنا۔ آن کا ایسا افرق کرنا۔ راجہ مہری علی خان کو شرکت سے باخچہ جوڑ کر بازار کرنا۔ مفاسد پڑھے بغیر ان کے متعلق مار دعا حرام کی عکشی کرنا۔ ہر وقت یہ شہر و دار زبان رکھنا۔.....

الے ماں، بہن، بھیجو، مردوں کی عزت، تم سے ہے
دنیا یہ جنت تم سے ہے

الے ماں، بہن، بھیجو.....
☆

حباب اقبال ایاز علی (لاہور)
بلیاں پالنا۔ بلیوں کے متعلق کتابیں پڑھنا۔ بلیوں کی زبان سکھنا۔ بلیوں سے بلیوں کی زبان میں پاتھی کرنا۔ ”تمہاری میاں“ پر ایک تھیس لکھ کر بی اچڑی کی ذکری حاصل کر لیتے۔ اپنے پاکستانی ہلوں اور بلیوں کو ایرانی، سیاہ اور آسٹریلیزی شیخی

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ ”جھاڑیاں“ اوب کی وہ میرا آشیانہ



سید عبدالحمید عدم (لاہور)

خوبصورت غزلیں اور بد صورت نصیں لکھنا۔ مردم شماری کے زمانے میں اس لمحے کے انساف کو بلا کر اس سے اپنی ”لغم شماری“، ”غزل شماری“ اور ”دیوان شماری“ کا کام لیتا۔ اپنے ملک کو عدم آباد کرنا۔ اور پر کی دنیا کو ملک عدم کرنا۔ کسی دوست کے مرغے کی خیر سن کر کرنا۔..... ”اے بھوڑا مر گیا۔“ حکومت کی طرف دروز پان رکھنا.....

میں اس لئے چلتا ہوں مے خانہ دنیا میں
جی گلہ نہیں میرا دیرانہ دنیا میں
آنکھوں میں لئے ارمان، نظرؤں میں لئے بجدے
پھرتا ہوں میں آوارہ، بت خانہ دنیا میں
(سیسویں صدی جون ۱۹۶۵ء)

مشہور اہل قلم خواتین کے محبوب مشغفہ

عصمت چھٹائی (بسمی)

سکریٹ کے لبے لبے ش لے کر اپنے شوہر شاہد للیف سے روٹا۔ انھیں ضدی کہنا۔ سید ہے منہ بات نہ کرنا۔ روٹہ کر بستر پر شیوخی لکیر بن جاتا۔ لحاف میں منہ چھپا لینا۔ آنکھوں میں مر جھیں ڈال کر شاہد بھائی کو مروعہ کرنے کے لئے روٹا۔ اپنے اپر جھوٹی عشقی طاری کر لینا۔ بالکل صرف ہاڑک بن جاتا۔ بھی بھی بے ہوش میں لحاف منہ پر سے سر کا دینا تاکہ شاہد بھائی انھیں بے ہوش کر منالیں یا گھبرا کر رونے لگیں۔ اپنی اس جگہ کو مردوں اور پاٹڑوں کی جگہ بھجھ کر مجھ سے کہنا کہ تم کرش بن کر میرا ساتھ دو۔ میرا نظریں بچا کر بھاگ جانا۔ منشو بھائی کو یاد کرنا۔ منشو کی یاد میں ”کالی شلواریں“ سلوا کر محلے کی بیواؤں میں منتظم

اس لئے میں اس جنم میں بھی
محبت آن سے کرتی ہوں
مجھے ہر ایک بلے کی
حیں صورت میں اپنا انتیاز اکثر
نظر آتا ہے
اس کو پاس میں اپنے بلا تی ہوں
اگر وہ روٹھ جائے تو
بڑی مشکل سے میں اس کو مناتی ہوں
☆

واجہہ جنم (بھینی)

صلطے پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا۔ جنم کی تسبیحیں جمع کرنا۔ مثلاً
عرب کی تسبیحیں، ترکستان کی تسبیحیں، الکستان کی تسبیحیں،
پاکستان کی تسبیحیں، کافرستان کی تسبیحیں، قراقستان کی تسبیحیں۔
فتوے پوچھتا، فتوے پڑھتا، فتوے مرتب کرنا، فتوے دینا، فتوں
کی دیک زدہ کتابیں جمع کرنا۔ ہر جمعہ کو اپنی امامت میں محلے کی
عورتوں کو نماز پڑھاتا۔ نماز کے بعد محلے میں مفت دعا میں اور
دوا میں تقسیم کرنا۔ شوہر کا دیوالہ کالانا۔

مجھ سے یا اپنی سہیلوں سے یا اشناق صاحب (شوہر) سے
ٹوٹی شروع کرنے سے پہلے کہنا..... "بسم اللہ الرحمن الرحيم۔
یا تھار، یا جبار۔" گیہوں پھٹکنا۔ چاول چتنا۔ چاول چنتے چنتے اکٹر
ٹکریوں کی بجائے چاول جن جن کر سمجھنے کے جانا۔ ساس کے
ٹوکنے پر ہمارش ہو جانا۔ پیاز کا نا۔ لہس چھیننا۔ پاک کا ساگ
کاٹ کاٹ کر گھر میں کوڑا کر کر پھیلانا۔ میلے کپڑے اور ادھر
پھیکنا۔ گھروالوں کا ناک میں دم کرنا۔ پھوہڑپن میں ایم۔ اے
کی ڈگری حاصل کر کے اڑانا اور خوش ہو کر کہنا۔ اب میں
پھوہڑپن میں پی۔ ایج۔ ڈی بھی کروں گی۔ خواتین کو روئے کے
نئے نئے بہانے بنانا۔ دوسروں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رونا۔
اپنی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رونا۔ ایجی طرح رونا۔ نری طرح
رون۔ خوبصورتی سے رونا۔ بد صورتی سے رونا۔ منہ بنا کے رونا۔

بلیلوں سے متعارف کرنا۔ اپنے بلیلوں بلیلوں کی طرف سے
غیر ملکی بلے بلیلوں کو لج اور ڈنپر بلاتے رہتا۔ بھی بھی اپنے بلیلوں
بلیلوں کو سحدی کی "مگدستان بوتاں" ناما۔ امیار صاحب سے
ٹرنا کہ جیسی بلیلوں بلیلوں کو ایری ٹھین کے ذریعے ج کراؤ۔ امیار
صاحب کا جواب دینا کہ ابھی تمہاری اس قوم نے تو سوچو ہے
کہاں کھائے ہیں۔ جب صاحب کا جواب دینا "۱۹۹۸" چوہے تو یہ
کھاپکے ہیں۔ یا تی ایک چوہار است میں کھائیں گے"۔

اینی بھی کے جسے کی جائیداد بلیلوں کے نام منت کرانے کی
کوشش کرنا۔ اس سلسلے میں امیار صاحب سے روز جھٹکا کرنا۔
آسمان کی طرف ہیشہ قمری رنگ کا چشمہ لکھ کر دیکھنا۔ میوانش
جمش سے ٹککو شاعر ہری ہری کے دو حصے عربی لجھے میں سننا۔ ڈاکٹر
گار کی ناک میں چینے سے نسوار ٹھوٹنا اور کہتا..... ڈاکٹر! ذرا
آہستہ سے "آجیں۔ آجیں" کرنا۔ نہیں تو میری بلیاں ڈر
جا سکیں گی۔ میرے کوہ قاف کے سور کا ہادث فیل ہو جائے گا۔
کھانے کی چیزوں کی بھی ڈاکٹر دے کر مشغلوں میں شامل
کر لئے۔

لئے میں ایرانی بلیلوں کی زبانیں، فاختاں کے دل، ایسا بلیلوں
کی بھی، تھیلوں کے پروں کے پکوڑے، عطا کے سری پائے،
غدر گیرتی ہات کی بھنی کے ساتھ کھانا، بعد میں بخداو سے آئی
ہوئی بکھروں کی مشاخی پچھ کر منہ ہٹھا کرنا۔ رات کو ارغنوں کا
پلاؤ، انشاں کا زردہ، قاہرہ کی شخوں کا قورم، سفید مرغی کی
آنکھوں کا خیر، سور کے پسندے انگوری چپا تھیوں کے ساتھ کھانا،
جمش کے شای کہا سے کوہ قراقم کے چاول تناول فرمانا۔ آخر میں
ایک دراہی پاپڑ کھا کر اور قاہرہ کا صلی پچوں پر پل کر سو جانا۔
خواب میں چوک چوک کر ڈینا.....

براؤں تو یہ کہتا ہے

کسی بچھے جنم میں امیار

اک خوبصورت

پرشن بلے تم شاید

نمہ چھپا چھپا کے رونا۔ آنکھیں بند کر کر کے رونا۔ آنکھیں کھول کھول کر رونا۔ ایک عی آنکھ سے رونا۔ دونوں آنکھوں سے رونا۔ پڑھ۔ با غلبی میں کروں گی۔“ کمری چلا چلا کر پودوں کی جڑیں کاف ڈالنا۔ تیخی سے پودوں کی غلاد جامت کر دینا۔ الی چمن سے ”بھوڑ باغبان“ کھلانا۔

کتابیں خریدنا۔ کتابیں پڑھنا۔ کتابیں قبول کرنا۔ کتابیں مرمت کرنا۔ کتابیں چڑانا۔ کتابیں کھونا۔ کتابیں پانا۔ کتابیں بچھا کر سونا۔ اخبار اور ذہ کر سونا۔ سر کے نیچے سکنے کی وجہے ”نون“ اور ”نقوش“ رکھ کر سو جانا۔ کتابوں کے خواب دیکھنا۔ رسالوں کے خواب دیکھنا۔

صحیح سے لے کر رات کے تین بیجے چک اپنی کتابیں۔ ادھر ادھر بدستیعکسی سے بھیرنا۔ صحیح انفس رو رکر اکٹھا کرنا اور کہا ”کوئی بد تیر میری کتابیں اور ادھر ادھر ٹھیک کیا ہے۔“ تقدیم ادب جلا جلا کر افسانوی کتابوں کا سوچ تیار کرنا۔ یہ سوچ اپنی کھلیوں کو کتابیں مار دا کر زبردستی پلانا۔ گھوڑے سچ کر سونا۔ گھونیں سچ کر سونا۔ ہاتھی سچ کر سونا۔ بکریاں سچ کر سونا۔ مرغ سچ کر سونا۔ مرغیاں سچ کر سونا۔ کان سچ کر سونا۔ پورا مظلہ سچ کر سونا۔ رات کو گیارہ گھنیوں میں سچ چھبیس کا الارم لگا کر سونا۔ سچ چھبیس گیارہ گھنیوں کا یہی وقت سچ کر خود سو جانا۔ ہاجہہ سرور کی آنکھوں کا نہ کھلنا۔ گیارہ بیجے آٹھ کر ملکے کے نہنے منے بچوں کو طلب کر کے (جن میں ان کی اپنی بیگی بھی شامل ہے)۔ ان سے یہ لوری کو رس میں سننا۔۔۔

آجارتی ندیا تو آکھیں شدایا جا
آپا کی آنکھوں میں کھل مل جا

(لوری سن کر پھر سو جانا)



جیلانی بالو (حیدر آباد کن)

کتابیں پڑھنا۔ موٹی کتابیں۔ کلی کتابیں۔ زلاتے والی کتابیں۔ جنمائے والی کتابیں۔ نئی کتابیں۔ اچھی کتابیں۔

نمہ چھپا چھپا کے رونا۔ آنکھیں بند کر کر کے رونا۔ آنکھیں کھول کھول کر رونا۔ ایک عی آنکھ سے رونا۔ دونوں آنکھوں سے رونا۔ پڑھ۔ با غلبی میں کروں گی۔“ کمری چلا چلا کر پودوں کی جڑیں کاف ڈالنا۔ تیخی سے پودوں کی غلاد جامت کر دینا۔ الی چمن سے ”بھوڑ باغبان“ کھلانا۔

(واجدہ کی اشک باری کے فوائد)

خشک بیکوں کا ہرا ہو جانا۔ کھیتوں کا سیراب ہو جانا۔ پھولوں کا مہکنا۔ کلیوں کا گھونگٹ کھول کر مسکرانا۔ باغوں میں بھار آ جانا۔ بھوزوں اور تیلیوں کا واجدہ کے آنسوؤں کی بارش میں پھتریاں لگانچا کر لکھنا۔ بر ساتیاں پکن پکن کر باغوں میں آئیں خشک ندیوں کا جاری ہو جانا۔ تالابوں کا الاب بھر جانا۔ سُست رو دریاؤں میں جان پڑ جانا۔ دھویوں کا کپڑے دھونا۔ کھیتوں میں اناج کا پ افراط پیدا ہونا۔ ملک سے اناج کا باہر جانا۔ ملک میں ڈالروں کی کمی کا پورا ہونا۔

(امریکہ والوں کا واجدہ کو دعوت دینا کہ یہاں بھی آ کر کچھ دن رہ جاوے)

(واجدہ کے رونے کے نقصانات)

سندرلوں میں طوفانوں کا آنا۔ جہازوں کا غرقاب ہونا۔ بے شمار حاجیوں کا ڈوب جانا۔ شہر میں سیالاب آجائی سے مکانات کا گرنا۔ ملبوں کے نیچے معصوم اشرف الحلقات کا دب کر ہلاک ہو جانا۔ رونے کے بعد واجدہ کا اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں کا جل لگا کر کھانا۔۔۔

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے یہ نہیں وہ ہیں جن سے کہ جھلک ہرے ہوئے



ہاجہہ سرور (کراچی)

اپنے گھر کے باغ میں پھول لگانا۔ پھول پالانا۔ پھول سونگنا۔ پھولوں کو زمانے کی ہوا سے بچانا۔ تیلیوں اور بھوزوں کو ڈالنا کہ یہاں مت آؤ۔ میرے پھول ”ٹرکیوں“ سے ملا پسند نہیں کرتے۔۔۔

کیتیں کتاں۔ بخ کتاں۔ اُن ادیبوں اور شاعروں کو صواتیں کے گھر نہیں جاتی۔ بس، تمہارے گھر آگئی ہوں۔ میرا احسان یاد رکھنا۔”۔ باخوں سے پھول چڑانا۔ پھل چڑانا۔ تلیاں چڑانا۔ مالی کے جوتے چڑا کر گھر لے آتا اور اپنے توکر کو دے دینا۔ کہنا۔۔۔ ”جاء، بازار میں بخ آؤ۔ جو پیے ٹھیں، اُن سے میرے لئے تحوزے چاکلیٹ خرید لانا۔”۔

میاں کو علی گڑھ میں رکھنا اور خود کھٹے سان کھانے کے لئے حیدر آباد رہتا۔ میاں کے پارے میں تحقیقات بھی کرتے رہنا کہ علی گڑھ میں کسی لوکی سے تو دفعہ نہیں لے رہے۔ یکا یک علی گڑھ جا پہنچتا۔ میاں کے مکان کے کرے کا دروازہ کھولتا۔ ان سے آنکھیں چار ہوتے ہی یہ کہہ کر واپس بھاگ آتا۔۔۔

فقرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو، ہم دعا کر چلے
کہا تھا کہ تم بن بھی بھی لیں گے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے
☆

عفت مولانی (حیدر آباد)

بھی اپنے آپ کو خورشید سلطانہ عفت کہتا۔ بھی عفت مولانی۔ بھی عقی، ”عف“ اور بھی کہتا کہ مجھے صرف ”ع“ کہہ کر پکارا کرو۔ لوگوں کو پڑے فخر سے کہتا کہ میرا ہاتھ مولا نما حضرت مولانی نے رکھا تھا۔ مجھ انھ کر مشتوی مولا ناروں، دوپھر کو کلام علامہ اقبال اور رات کو سوتے وقت راجہ مہدی علی خاں کے مزاجیہ مخفائیں پڑھ کر زار زار رہتا۔ باقی ساری رات این صفائی کے چاسوی ناول پڑھ کر زار تے سکتے گزار دیتا۔۔۔

ہر وقت اپنی صورت پر مخصوصیت اور مظلومیت طاری رکھنا۔ یکا یک اپنی زبان کے لاکھوں تالے توڑ کر سنتے والوں پر نشزوں، سانپوں، پکھوڈیں، شعلوں اور سرخ مرچوں کی ہارش کر دیتا۔ بھی کبھی تحوزی سی سرخ مرچیں سنتے والوں کی ناک میں بھی نہ نہیں دینا۔ آنکھ بچا کے آنکھیں ایک گھونس بھی جزو دینا۔ گھر آنے والے

شنا جو بیوی کے ٹلم خوشی سے برداشت نہیں کرتے۔ اُن بیویوں کو حرامزادیاں کہنا، جو اپنے شوہروں کو سچ بخ پیٹ بھرنا شتہ نہیں کرتا۔ اُن ماوں کی حالت پر افسوس کرنا جن کے ہاں صرف بیٹے بیدا ہوتے ہیں، لیکن اُن ماوں کو وقتاً فوقاً مخالفی بھیتھے رہنا جن کے ہاں صرف لاکیاں بیدا ہوتی ہیں۔

ادیبوں کی گھریلو زندگی کے حالات معلوم کرنا۔ اپنی خیالی عدالت میں آنکھیں عبرتاک سزا میں دے دے کر خوش ہونا۔ اُن کی ننگی عینہوں پر ذرے لگو لگو کریا یا آنکھیں چانسی کا حکم ناٹا کر خوش ہونا۔

علوم کرنا کہ فلاں شاعر کی بیوی میک اپ کرتی ہے یا نہیں۔ جلدی کرتی ہے؟ ویر لگاتی ہے۔ کالی ہے یا گوری۔ لوی ہے یا لکھری۔ حرامزادی ہے یا الوکی پھی؟ دوکانوں کے شوکیں میں ساریاں دیکھ کر آتا۔ گھر آ کر ان کی تعریفیں کرنا۔ اُن کے لئے آہیں بھرتا۔ اُن کے لئے رونا۔ آخر میں اُن کی قیمت بتا کر جب ہوش ہو جانا۔ گھر والوں کو مجبور کرنا کہ اگر وہ چیلانی بانو کی زندگی چاہتے ہیں تو اسے یہ ساریاں منکروں ہیں۔ اس پروگرام پر ہر ہفتہ عمل کر کے گھر والوں کا دیوالی لکالا۔ اُن کی زندگی اچھیں کرو پڑیں۔ دعا میں مانگتا کہ ہمارے گھر مہمان آئیں۔ مہماںوں کی آمد پر ان کے لئے طرح طرح کے مزیدار کمائے تیار کرنا۔ خود بھی کھانا اور ان کو بھی کھلانا۔ کسی کا احسان لیتا اچھا نہیں، لیکن میری باشیں بھول نہ جانا، درستہ میرا نمک تم پر خاتی لے آئے گا۔ بخنوں گور کپوری، اسلوبِ احمد انصاری، واہدرو ہم، ظاہرہ سلطانہ جھی اور راجہ مہدی علی خاں کے گھر جانا اور کہتا۔۔۔ ”اگر میری خاطر نہ کرو گے تو تمہارے گھروں میں چوریاں کروادیں گی۔“

(حال ہی میں راجہ مہدی علی خاں کے بیہاں کوئی اڑھائی ہزار روپے کی چوری ہوئی ہے)

ادیبوں، شاعروں کو ذرا دھن کر اچھی چیزیں پکھا کر کھانا۔ رخصت کے وقت کہتا۔۔۔ ”لاذ، لیسی کے لئے کرایہ۔ میں کسی دینا۔ آنکھ بچا کے آنکھیں ایک گھونس بھی جزو دینا۔ گھر آنے والے

سوئی کو صنیفہ اور صنیفہ کو سوئی کہنے لگیں۔ صرف خود فیصل سے نظر آئی۔ سلیمان اریب صاحب کو ان کی سالگرد پر احمدی احمدی خورد فیصل پر بیرون کرنا۔ اپنے بچے سے زیادہ اپنے شوہر کا خیال رکھنا۔ انھیں صحیح بحث جاتا۔ عسل کرنا۔ کوئی نئے کے نہیں سے خود ان کے دانت صاف کرنا (اس موقع پر سلیمان صاحب کا ان کی اٹھی میں کاٹ کھانا)۔ نئے پکڑے پہن کر سلیمان صاحب کے سر میں تیل ڈال کر ان کے پانچ پانچ گز لمبے بالوں میں بخے پیارے پکھی کرنا۔ ان کی آنکھوں میں کا جل لگانا۔ پھر انھیں آجیہ دکھا کر خوش ہونا اور کہنا..... "ذیکھو، کیا چاند سا سکھراں لکھ آیا۔ ہائے اللہ! وہ دن کب آئے گا، جب تو براہوں۔ آپ کاۓ گا۔ خود کاۓ گا۔ ہمیں کھائے گا، چاندی ہن بیاہ کر لائے گا۔ ماہنامہ "بما" آفت پر نکالے گا؟"۔ اپنے بچے کو پکوڑے سے نکال کر کری پر بخادینا۔ سلیمان صاحب کو کری سے اٹھا کر پکوڑے میں لٹا دینا۔ پکوڑے کو ہلاہلا کر سلیمان صاحب کو لوریاں دیتا۔ تھپک تھپک کر سلاتا۔ صحیح کوئا صحیح اور شام کو ساقی بن جاتا۔ سلیمان صاحب کو اپنے دل کو دل کرداں! ذافت کر تھوڑی تھوڑی شراب پیتا۔ ان کے بہت زیادہ بہک جانے پر انھیں سہارا دے کر لاکھڑا ساتھ ہوئے قدموں کے ساتھ پھٹک لے جانا اور ساتھ ساتھ پر شتر پڑھتا.....

نش پلا کے گانا تو سب کو آتا ہے۔

مرہ تو جب ہے کہ گروں کو قام لے جاتی

رات کے دو بجے اریب صاحب کا چوری چوری بڑے المٹا۔ دلکشی ہوئے قدموں سے شراب کی بوالی کھول کر ایک جام بھر لینا اور ہونٹوں کے قریب لے جاتا۔ صنیفہ کا ٹھوپ پر سے چادر پہن کر مارے غختے کے شرمنی کی طرح پھر جاتا۔ اریب صاحب کا ذر جانا اور یہ کہہ کر اپنا بھرا ہوا جام تپاٹی پر رکھ دینا.....

آنکھ اس نے اس اڑا سے دکھائی کہ میں نے شوق

چکے سے اپنا ہے کا بھرا جام رکھ دیا
(رسویں صدی، جوڑی ۱۹۲۱ء)

مہماں کو اپنی عمر، اپنی بہنوں کی عمر، اپنے خاندان کی دوسری لڑکوں کی عمر بڑھا چکرتا اور اس جنم میں اپنے خاندان کی بڑی بودھیوں سے ہر روز چلتا۔ پہنچنے والوں سے بہت مت سے اسرار کرنا کہ مجھے آہستہ پڑتے۔ میں دل کی بہت کمزور ہوں۔ موتاپے سے ڈرتا۔ گوشت سے برہموں سے زیادہ پرہیز کرنا۔

چائے چھان کر پینا۔ پیٹ کی صفائی کے لئے کبھی کبھی چائے میں فیکل ڈال کر پی جانا۔ رجہ مہدی علی خاں کو ہر بخت مخفی اس لئے مخالفی کے پار سل بھیجننا کہ وہ اسے کھا کر مر جائیں۔ ان کے گھیتوں کے روکارڈ پہلے خریدنا اور پھر توڑ کر کہنا..... "المددہ"۔

عید قرباں کے موقع پر اپنے ذبح ہونے والے اونٹ کے لئے میں باہمیں ڈال کر بھراں ہوئی آواز میں رو رکر کہنا.....
بھاریں پھر بھی آئیں گی مگر ہم تم جدا ہوں گے۔

اونٹ کا جواب دینا.....

اری، ٹھوٹیں رو، تیرے گردے لے خفا ہوں گے۔



صنیفہ سلیمان اریب (حیدر آباد دکن)

صحیح اٹھا کر چائے کی بیس پیاں پینا۔ چائے سے عسل کرنا۔ چائے سے دھوکر کے فزار پڑھنا۔ دن بھر میں چائے کی دیڑھ سو پیاں پی کرہو ترپے شوہر کی جیب کا دیوالہ نکالنا۔ شام کو تصور ہی قصور میں چائے کے گھیتوں میں جا پہنچنا۔ وہاں سے چوری چوری چائے کی ہری چھاں توڑ کر لانا۔ پٹیں لی کمپنی میں بطور مزدور بھرتی ہونے کے لئے بار بار درخواستیں دینا۔

سلیمان اریب صاحب کا کلام زہانی یاد کرنا۔ انھیں مشاعروں میں ڈھنگ سے اپنا کلام نہیں کی دیہر سمجھیں کرنا۔ سلیمان صاحب کی ہوٹک کرنے والے سامیں کو اٹھ پر کھڑے ہو کر گالیاں دینا اور کہنا..... "کم بخوا پھوکوں سے یہ چارغ بھجا یا نہ جائے گا"۔

کھانے پر دن دن بھر، رات رات بھرمیاں کا انتظار کرنا۔ آہیں بھرنا۔ کچھ نہ کھانا۔ دُبلا ہوتے جاتا۔ اتنا دُبلا ہو جانا کہ لوگ

غالب نامہ

می آزاد نظموں کی طرح ان کو بھی آزادی
وہ آزادی کہ جس کو دیکھ کر شاعر کا دم لٹکے
کوئی ہے آئے جوان سب کے ایڈریسیں ہم کو لکھوائے
ہوئی تھیں اور مگر سے کان پر رکھ کر قلم لٹکے
گھروں سے سب لکل آئی ہیں نانا، کہہ کے پردے کو
کہ مگر لٹکے تو بس عشق کا سرزکوں پر دم لٹکے
گیا، عہد کہن، اور شاعروں کی آج بن آئی
جو ازراو تم پھیتے تھے از راو کرم لٹکے
چلے آئے ادھر ہم بھی جوانی کا علم لے کر
کہ جن سرزکوں پر جیتے ہیں انہی سرزکوں پر دم لٹکے

☆

(۲)

لکھا تو گروں کا مگر سے سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیری کوئی سے ہم لکھے
ترے کئے بھی سارے شہر میں اڑاتے پھرتے ہیں
بھی بھی تیری کوئی سے نہیں وہ سر جنم لٹکے
کہاں سے خانے کا دروازہ غالب اور کہاں سلی
پر اتنا جانتا ہوں کل وہ آتی تھی کہ ہم لٹکے

غالب فائز بریگینڈ والوں سے ٹیلی فون پر

مگر سزا سوز عیاش سے بے محابا جل گیا
آتش غردد کی مانند گویا جل گیا
ہائے کم بختو خطوط یار ملک باقی نہیں
آگ اس گھر میں الگی کر جو تھا جل گیا

ڈاکٹر وزیر آغا کے نام خط

”جس ہنگامہ خیر چیز کی طرف میں نے اپنے چھٹے خطوں
میں اشارہ کیا تھا وہ دیوان غالب کی جیروڈی ہے۔ لیکن یہ ایسی
جیروڈی نہیں کہ ہر کوئی کر سکے۔ میں دیوان غالب کو ایک بے
اعذاء سے یا جنم دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ غالب کو میں
”ماڈرنائزر“ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بہر حال یہ معاملہ اس
وقت تک آپ کی بجائے میں نہیں آئے گا جب تک میں آپ کو اس
دیوان غالب کا کچھ حصہ نہ پہنچ دوں۔ میں اپنی بات صحیح طرح
سمجھائیں پا رہا۔ لیکن مجھوہ کے کام سے فراقت حاصل کرنے
کے بعد دیوان غالب کی دوں پندرہ چیزوں کو فائیکل ٹریپ ریٹی
کے بعد آپ کو پہنچ دوں گا۔

میرا رادہ ہے کہ غالب کے سترنی صدی کلام کا بیڑہ غرق
کردا ہوں۔
میری طبیعت آج صحیح نہیں تھی یہ خدا ایک دوست کو ڈالنیں
کر رہا ہوں۔

پرچاٹی خاں

غالب نامہ

غالب مال روڈ لاہور پر

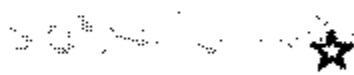
ہزاروں لڑکیاں ایسی کہ ہر لڑکی پر ادم لٹکے
بہت لکھے جیسی سرزکوں پر لیکن پھر بھی کم لٹکے
بھرم کھل جائے گا ان سب کی قامت کی درازی کا
جو ان کی نسبیت شدہ دلنوں کا کچھ بھی پیچ و فم لٹکے

دونوں کو یہ لگہ ہے کہ آتے ہی سب پر میں
کیوں جل گیا نہ آپ رخ یار دیکھ کر



غالب احمد ندیم قاکی کے سرہانے

درد منت کش دوانہ ہوا
تو نہ اچھا ہوا نہ نہ ہوا
جس کرتا ہے کیوں حکیموں کو
جب تجھے ان سے فائدہ نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقب
گالیاں کھا کے پڑھہ نہ ہوا
بندگی کیوں کہا ہوا دیدوں نے
بندگی میں تیرا بھلا نہ ہوا
بجدہ سب کچھ کیا ہے تذر طبیب
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
میں طبیبوں کے میل جلا جاتا
آج ہی گمر میں کولہ نہ ہوا
دو منٹ اور ہوں میں تیرتے پاس
پھر کچھ لئے اسد دوانہ ہوا



غالب جنگل اور قیس کا مکان

جیس ہر رنگ رقب سرہماں لگا
ایک ٹھیقی اسے پھیک کے عربان لگا
دیکھ کر اس کو آڑا شاخ سے اک نھا پر
پر کٹا جس کو سمجھتے تھے پر انسان لگا
کوئی میدڑ ہو کہ چیختا ہو کہ اُو ہو وہ
قیس کے گمرا سے جو لکھا سو پریشان لگا
کھالیا بھوں نے گمرا کے دہری کا گشت
کام لیلی کا بفتر لب و دہمان لگا

بجوں نے ذوق کی لکھی تھی وہ بھی جل گی
شاہ کامیں نے جو لکھا تھا قصیدہ جل گیا
میں گلی سے بھی پرے تھا درست غافل ہی رہا
ایک آتش زدگوں میں مگر کا آقا جل گیا
جانبیں تھجھ کو بتاتا اپنے نصال کا شمار
کالا پیسر جس میں رکھا تھا وہ کرہ جل گیا
یہ مکاں خوشتر کو پھری دے کے کیوں میں نے لیا
اُس کا پیسر بک میں ہے میرا پیسر جل گیا
میں ہوں اک شاعر نہ رہوت مجھ سے مانگو دستو
س کے یہ شرطیں کڑی میرا لکھجہ جل گیا
گمرا کے جل جانے کا مجھ کو غم نہیں اس کے سوا
ذوق خوش ہو گا کہ گمرا غالب کا سارا جل گیا



غالب اوٹ ڈور شوٹنگ میں

کیوں رک گیا نہ آپ کی میں کار دیکھ کر
میں ڈر گیا تھا کار میں کچھ یار دیکھ کر
کیسے قریب آؤں؟ یہ اسٹنٹ فلم ہے
ڈرتا ہوں سب کے ہاتھ میں تکوار دیکھ کر
پہلو میں دل جو ہے کسی دلین کا دل نہیں
ٹھوکر لگائیے اسے سرکار دیکھ کر
جنگل کی ہرنیاں کہیں کر لیں نہ خود کشی
غش کھاری ہیں آپ کی رفتار دیکھ کر



(۲)

مودر میں اب اچھل کے نہ مجھ پر گریں گی آپ
نا خوش ہوں ہرگوں کو ہموار دیکھ کر
شاعر نہیں ہیں ابھے دلیپ اور دیو آئند
دل دیجئے انہیں ڈرا سرکار دیکھ کر

غالب اور اس کا رقبہ

حسن اس پری وش کا اور پھر مکاں اپنا
بن گیا رقبہ آخر تھا جو یہاں اپنا
اس کی پڑی پلی کو ایک میں نے کر دالا
بازوؤں میں طاقت تھی خون تھا جواں اپنا
خاطر اس کی میں نے کی 'والدہ کی گالی' سے
پھر آٹ دیا اس پر پورا خاندان اپنا
گندی گالیاں گوئیں آج سب محلے میں
اور پولیں نے بھی آ کر لے لیا یہاں اپنا
یہاں روتا تھا سب کو وہ دکھاتا تھا
اگلیاں فگر اپنی 'جامہ خونچکاں' اپنا
اس سے ہاتھا پائی میں فرنچپر میرا ٹوٹا
جھٹ گردایا اس نے جسم نیم جاں اپنا
ڈھنون کے ہاتھوں پھر ہار اپنی کیوں ہوتی
جو قلک پہ بینجا ہے وہ ہے مہرباں اپنا
میرے گمرے وہ بھاگی جھٹ سے لٹڑھ کر بر قع
کچھ شہ کہہ سکا ان سے عشق بے زبان اپنا
والدہ حکم نے ماق کر دیا مجھ کو
کھٹ سے ہو گیا دشمن پورا خاندان اپنا

☆

غالب بوٹ ہاؤں میں غالب اور حسینہ
بھی ہمرا نفعِ قدم دیکھتے ہیں
کبھی تیری چپل کو ہم دیکھتے ہیں
تیرے مرد قامت سے چھٹ کم از کم
قامت کے نفعے کو کم دیکھتے ہیں
کھلا کچے لیں گے وہ چپل کی قیمت
جو تیری طرفِ دم بہ دم دیکھتے ہیں

کونا تھا وہ کنوں ڈوب گیا جس میں اسد
کی جو تھیں تو وہ چاہے زندگی نکلا
آئی شامت میری لیلی کو ذرا چھیز دیا
قص دلان سے ہو کر غصب انشاں نکلا
توڑ دی لائیوں سے میری کر اس نے عتم
کیا مرل تھا مگر رسم د گماں نکلا

★

 غالب اپنے گھر میں

عشرت بیوی ہے شوہر میں فنا ہو جانا
فہ کہ ہر بات میں شوہر سے خدا ہو جانا
روٹھوں سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
بادر آیا نہیں بیوی کا خدا ہو جانا
دل سے فنا تیرے روٹے ہوئے بچوں کا خیال
ہو گیا گوشہ سے ناخن کا جدا ہو جانا
زیگ لگ جائے نہ بارش میں اٹھا لے خدا
ویکھے ابر سات میں بیڑ آئینے کا ہو جانا
درود بھر مجھ کو تھا تو ماد کے دھڑا بولی
درود کا حد سے گذرا ہے دوا ہو جانا
کس قدر تو نہ تھک ڈال دیا سالن میں
تجھ کو بھانے لگا بھوڑے کا کڑا ہو جانا
میر کی بھانی نے پہنکا مرے گھر میں کوڑا
اس قدر دشمن ارہاب دفا ہو جانا
ذوق کی بھی سکھاتی ہے تھے میرے خلاف
اس کے کھنے سے نہ تو مجھ سے جدا ہو جانا
میں نے پوچھا کہ تیرے بعد کروں کیا؟ پولیں
روٹے روٹے غم فرقہ میں فنا ہو جانا

غالب کری عدالت پر

گرنہ اندوں فہر فرقہ بیان ہو جائے گا
لے کے ذکری میں مگر کو روای ہو جائے گا
ہے جسی اچھا کہ راضی نامہ کر لے کوئٹہ میں
ہو گئی ترقی اگر بے خالماں ہو جائے گا
لے یا سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوس مگر
یہ نہ سوچا اس کا شوہر بدگاں ہو جائے گا
یہ ہے دیوانی مقدمہ یہ چلے گا سات سال
سب اٹاٹہ تیرا نذر ایں و آں ہو جائے گا
کوئی مجرم ہے لگا ہے اس کے دل میں کس کا تحریر
ہاپنل میں ایکرے سے اتحاد ہو جائے گا
جس حینہ سے جن میں باتحا پائی تو نے کی
اس کی آہوں سے عدالت میں دھواں ہو جائے گا
اس کے دامن کا پھنکڑا پولیس لے آئی ہے
الفہر پالجیر کا قصر بیان ہو جائے گا
اس پری رو سے دہائی گر نہیں مانگے گا تو
کوئٹہ کا بگرے گا کیا تیرا زیاب ہو جائے گا
تیرے ہونتوں پر ہیں کس کا کپٹ سنک کے یہ نشان
چھ میئنے کی سزا پر بے گاں ہو جائے گا

☆

 غالب ایک ریشورہ میں

ایک اینکو اظہر حسینہ کے ساتھ
ہے گال پر اس آن کے سوا ایک نشان اور
تم پچھے بھی کوہ ہم کو گزرا ہے گاں اور
تم کتنی ہو اکٹھ میں محبت کی گرو بات
آئی نہیں اردو کے سوا مجھ کو زیاب اور
سحدی کی زیاب میں میں کروں تھے سے پچھے ارشاد
ڈر ہے کہ یہ گزرے نہ کہیں تھے پر گرال اور

ہمیں چیٹ دے تو اگر ہم تادیں
تجھے کس تنا سے ہم دیکھتے ہیں
جنہوں نے نہ سجدہ کیا تھا خدا کو
تجھے ہو کے وہ ربہ خم دیکھتے ہیں
یہ ہندی رچا پاؤں چپل میں رکھ دے
ذرا آج اسے چھو کے ہم دیکھتے ہیں
بنا کر چماروں کا ہم بھیں غالب
تاثائے الہ کرم دیکھتے ہیں

☆

 غالب اور ایک فلم ایکٹریں

غالب: ہم کو دل دے دو بوقت میں پرستی ایک دن
ورنہ ہم پیش گے رکھ کر عذر مسٹی ایک دن
ایکٹریں: ہائے اللہ مجھے گھوڑی کو نہ یہ معلوم تھا
مرٹے گی مجھ پر یوں غالب کی ہستی ایک دن
غالب: آخر اوت آف مارکٹ ہو کر مرے پاس آؤ گی
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے ہستی ایک دن
ایکٹریں: قرض کی پیٹے ہوئے اور مجھ سے بیان وفا
مجھ کو کھو دے گی تھاری فاقہ مسٹی ایک دن
غالب: آج مہنگی ہے تو مت کر گلرے جان بھار
رحمی باری سے ہو جائے گی سٹی ایک دن
ایکٹریں: دیکھئے اللہ قسم غالب نہ مجھ کو چھیڑیے
لوٹ لو گے تم تو میرے دل کی بستی ایک دن
غالب: گر چڑایا ہاتھ تو نے اے ہروں زندگی
میں ہر کر دوں گا سب تیری یہ مسٹی ایک دن
ایکٹریں: دھول دھپا مجھ سرپا ناز کا شہید نہ تھا
تم ہی کر پیٹھے تھے بڑھ کر پیش ہستی ایک دن
غالب: کاش ان سمجھائی آنکھوں سے محبت کی جھزی
بن کے آنسو میرے سینے پر برستی ایک دن

☆

مریض حکیم یوسف حسینمعانی حکیم اسد اللہ خاں غالب

لازم تھا کہ پہنچے میرا نخ کوئی دن اور
گھبرا گئے؟ پہنچے رہو کھٹیا کوئی دن اور
کھس جائے گا یہ کوں یہ سرمه نہ پے گا
مرجاوں گا پیسوں گا جو سرمه کوئی دن اور
جب ہوگا یہ تیار بالاوں گا میں خود ہی
پہنچے رہو ان آنکھوں پہ چشمہ کوئی دن اور
کہتے ہو کہ بیل تیرا قیامت کو میں دوں گا
بیل خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
آج آئے ہو اور آج ہی کردوں تمہیں اچھا
آنے دو میری جیب میں پیسہ کوئی دن اور
پہنچے جو نخ میرا آتی نہ تمہیں سوت
کرتا ملک الموت تھا ضر کوئی دن اور
تالی میں ٹھنڈی میری "محبوں شبابی" :
کمالیت تو کھلاتے نہ بوڑھا کوئی دن اور
دیدوں نے بتایا ہے کہ ہے ووقت کوئی بی
لکھ لے وہ غزل اور قصیدہ کوئی دن اور

★

قیس غالب اور شیر کا فکار

دیکھا جو شیر قیس کا سب جسم سرد تھا
شیر نہر پیش طبلگار "مرد" تھا
تھا زندگی میں موت کا کلکا لگا ہوا
بس جلوہ ہائے شیر کے آگے وہ گرد تھا
پہنچے چارے کو بھینڈر گیا آن کر جو شیر
اپر سے وہ سیاہ تھا پیچے سے زرد تھا
تایف نخ تھائے دوا کر رہا تھا میں
گھبرایا پھر رہا دہاں ہر ایک فرد تھا

یارب یہ نہ سمجھی ہے نہ سمجھے کی میری بات
ملک اور دے اس کو جونہ دے مجھ کو زبان اور
(۲)

کب سے ہم اور پیشے ہیں اے بولائے ادھر آؤ
پانی کے سوا بھی ہے کوئی جھٹ یہاں اور
لے آؤ وہ شے جلدی سے اب ورنہ یہ سن لو
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز یہاں اور
(۳)

عزم دو میڈم تو میں منکروں میں چاپیں
کہہ دینا اگر چاہئے دل اور زبان اور
دل اور زبان کرلا فرائی ارے بیرا
دل اور دے اس کو جونہ دے مجھ کو زبان اور
دنیا ہوں اس آواز پہ مل کتا ہی بڑھ جائے
ٹو بولائے سے میں یہ کہے جائے کہ ہاں اور
(۴)

ٹاگھر بھی میرے پاس ہے گھوڑا بھی میرے پاس
ہوں کے علاوہ تجھے لے جاؤں کہاں اور
پاٹتے نہیں جب راہ توڑ جاتے ہیں ہمگے
آف دیکھ کے پیک تجھے ہوئی ہے رواں اور
کالوں کو بھاگتا ہوں تو آجائتے ہیں گورے
تم ہو تو ابھی راہ میں ہیں سچ گراں اور
(۵)

ٹاگھوں پہ ہیں گوروں کے ننان پیٹھ پہ ہیں نسل
ہر روز دکھاتی ہے تو اک داعی نہیں اور
اے جان تھنا تجھے اک دوں گا میں گھونسہ
ہنگام شبِ مصل پہ کی آہ و فناں اور
★

غالب کا ڈرائیور

نوچ کو حجم مرا وجہ تسلی نہ ہوا
تحا یہ وہ لفڑا جو شرمدہ سنتی نہ ہوا
میری گھر کی سے بھی وہ لفڑا سرکش نہ دیا
میرا خصہ بھی "حرب" میں اُٹھی نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اس جنگ و جہل سے پھرتوں
وہ لفڑا تھا مگر صلح پر راضی نہ ہوا
اپنی سرحد میں پکڑ لے گئے دشمن مجھ کو
میں نے چاہا تھا کہ مر جاؤں سو وہ بھی نہ ہوا
مر گیا ایک ہی گولی سے تو انی میں اُندھی^{آئیں}
ناقوانی سے حرب میں عُسکی نہ ہوا

غالب اور فیض احمد فیض

غالب: حقیقی فریادی ہے کس کی شوہنی تحریر کا؟
سرخ کیوں ہے ذریں اک پیکر تصور کا
فیض: کیا کہوں میں فیض نے جو کچھ بھی لکھا چھپ کیا
حقیقی فریادی تھا حقیقی اک خوبی تحریر کا
غالب: خوب کی ہے لالہ کاری مسٹر قرطاس پر
کیسے دعوہدا آپ نے ہر اک نشانہ تحریر کا؟
فیض: سخت جملی قوانی پکھ نہ مجھ سے پوچھئے
مجھ کرنا شام کا لانا تھا جوئے شیر کا
غالب: پوچھ سکتا ہوں اسی کے وہ دن کیسے کئے
خط دہاں آتا تھا کیا پھر کا یا تاثیر کا
فیض: کیا کہوں میں تھا اسی میں سیاست زیر پا
یعنی عترپت تھا ہر اک حلقة میری زنجیر کا
غالب: حقیقی فریادی میں ہاں اک اعلیٰ تھا اسی بھی ہے
دمعا سمجھا نہیں اس خواب کی تحریر کا

جنہوں سے اس کی کاپ گئی گنبد فلک
آنسو تھے اس کی آنکھ میں رخموں میں درد تھا
اٹا پولیس پکڑ کے مجھے والے سے لے گئی
زخمی جہاں پر قیس بیباں نور د تھا
اس جنم میں غریب اُندھہ قید ہو گیا
حق مفتر کرے عجب آزاد مرد تھا

غالب لارنس گارڈن لاہور میں

ہوئی تاخیر تو پکھ پابعت تاخیر بھی تھا
تم تمیں محوزے پر مگر کوئی عنان سیر بھی تھا
آئیں برجس میں ہوتا بن کے قیامت او گاڑا
خنک دل بھی تھا اور نالہ دلگیر بھی تھا
مجھ سے بے جا ہے تمہیں اپنی جانی کا لگہ
اس میں شامل علی احمد بھی تھا شیر بھی تھا
میں نے تھائی میں بھی ہاتھ نہ پھیرا تم پر
پھیر رہا میں اگر لا اپنے تجزیہ بھی تھا
عشق میں پڑ کے ترے میں نے مریدی چھوڑی
عاشتوں میں ترے میں بھی تھا مرا عید بھی تھا
بے دفا تیری ہی خاطر اسے پہا میں نے
دل میں خصہ بھی تھا اور ہاتھ میں کنگیر بھی تھا
تو اسے بھول گئی ہے تو پہنچ تھاؤں
بھی عوام میں تیرے کوئی خیر بھی تھا
اس لیے جسم کو تیرے میں بھی چھوڑ دے سکا
جیل کا ذر بھی تھا اور خطرہ دنگیر بھی تھا
یاد کر پہلی ملاقات کہاں تھا سے ہوئی
بزم انغیار میں پھر بھی تھا تاخیر بھی تھا



اے شریک زندگی چڑھ تا نہیں ہے
تو نظر آتی ہے مجھ کو آج سرنا پا نہک
تجھ سے چھو چھو کر میں نارگی کی پھانکیں کھاؤں گا
کتنا پیارا ہے مری جاں تیرے چھرے کا نہک
تو اسی دن سے نہک ہی گھر سے غائب کر دیا
میں نے جس دن سے ترے ہر رخم پر چھڑ کا نہک
دونوں لل جل کر نہک داں میں رہا کرتے اسے
کاش تو اک مرچ ہوتی اور میں ہوتا نہک



غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل

عشق جو کرتا ہے ہم اس کو گدھا کہتے ہیں
بے وقاری ہے جسے لوگ وفا کہتے ہیں
اک منٹ کے لئے ہو جائیں گے تم پر عاشق
تم کو ہم دیں گے وہ شے جس کو دعا کہتے ہیں
سانوںے چھرے پر رفیں بھی ہیں کالی کالی
دریکھ کر تجھ کو عرب "قالو بلا" کہتے ہیں
اگلے دتوں کے یہ بذھے ہیں انہیں کچھ نہ کو
ٹھیک ہے عشق کو گر جب یہ نما کہتے ہیں
میں ہوں خادم ترے ذیلی کا چچا زاد بہن
ہو جو مطلب تو گدھے کو بھی چھا کہتے ہیں
تیرے پہلوں میں جو رہتا ہے کر سے لگ کر
دنیا والے اسے پالی کا گھڑا کہتے ہیں
اپنے والد بھی مسجد میں جو بنتے ہیں امام
ہم انہیں قبلہ نہیں قبلہ نما کہتے ہیں
تو کے غالب بھی ہیں مُظُوب تھارے آکے
ہم خدا خود بھی مگر تم کو خدا کہتے ہیں



فین: آگئی دام خیون جس قدر چاہے بچائے
دمعا عطا ہے اپنے عالم تحریر کا
غالب: فیض صاحب آپ قبھ سے بھی آگے بڑھ گئے
مجھ سی پر پڑھا تھا کیا دار آپ کی ششیر کا



خوبصورت پڑوں

لڑکی: آج بھر سے کھڑکی میں آپ کو کھڑا پایا
آپ ہم پر عاشق ہیں ہم نے دعا پایا
غالب: سانے کی کھڑکی سے نس نے ہمیں جہاں کا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا
لڑکی: عاشقی و مکاری ہے خودی و ہوشیاری
عاشقی کو پردے میں جو ات آنا پایا
غالب: نامہ بر جراہی ہے حال نامہ بر معلوم
آمد ہے اثر دیکھی نامہ نامہ پایا
لڑکی: پچھے پھر لگا رونے اچھا اب میں جاتی ہوں
آگئی تھی جب اس کو بند میں درا پایا
غالب: کیا سکتا وہ پچھے ہے مگر سے جب بھی یہ بھاگا
تم نے بارہا ڈھوٹا ہم نے بارہا پایا
لڑکی: جاؤ چاکے تم لھو بھو پہ اب غزل کوئی
کیا کہے گی یہ دنیا تم کو گر کھڑا پایا
غالب: دل بگل کیا اپنا بند ہو گئی کھڑکی
دو منٹ کی باتوں میں ہم نے کیا مزہ پایا



غالب اور نہک

پیش آئے ہیں کہنی ملکان بے پروا نہک
کیا حرمہ ہوتا اگر چاہے میں بھی ہوتا نہک
لیکن جب سے لگ کیا اس پر یہ مہنگا پڑ گیا
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نہک

در ہے اندر سے نکل کر مجھے تجھیں نہ رقب
آکے سمجھنی تیرے در کی میں بجا بھی نہ سکون
تحک گئی ہوتہ میری گود میں دے دو پچ
کوئی بوری یہ نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون
کیا کروں میں کہ ترے سختے سے ڈر لگا ہے
دستِ شفقت تری زلفوں پر پھرا بھی نہ سکون
تم نہ آؤ گی تو مرنے کی ہیں سو تمہیں
سمجھیا تم تو نہیں ہو کہ میں کھا بھی نہ سکون

☆

بکھری ہم ان کی.....!

بکھری ہم ان کی چکتی کمر کو دیکھتے ہیں
بکھری جگی ہوئی ترجیحی نظر کو دیکھتے ہیں
وہ آئیں کمر میں حسین نامہ بر کو ساختھ لئے
بکھری ہم ان کو بکھری نامہ بر کو دیکھتے ہیں
یہ آرزو ہے انھیں ان طرح نولیں ہم
حکیم چیزے میریں جگہ کو دیکھتے ہیں
حسین ہندی لگے پاؤں میں حسین بیٹھل
بکھری ہم ان کو بکھری ان کے سر کو دیکھتے ہیں

(۲)

ذکر میرا ہے بدی بھی اے منور نہیں
میں اگر بیٹھی دوں اس کو تو پکھو دو رنگیں
وحدو، پیر گھٹاں کیا پچھا ہے میں
لیکن اس وحدے کا خلا میں کہیں ذکر نہیں
چڑھ کے میل پا اے دیکھا اس کے کمر میں
میں مگر شوئی تھری سے لکھوڑ نہیں
دور بیرون سے سکر دیکھ کے اس کی ران
نہیں کے کہتے ہیں کہ ہے پر ہیں منور نہیں

ایک اور غزل

آبرد کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں
لاکھ بلواتا ہوں، آئیں میرے آنکھیں میں نہیں
اے جنون عشق مجھ کو ان پر غصہ آ نہ جائے
جان بن بن کروہ رہتیں کیوں میرے تن میں نہیں
دیکھ لے گا کوئی چھپ کر جب وہ بد لیں گی لباس
پیرہن تھے گھر کے اس کمرے کے روزن میں نہیں
چہرہ ان کا آج کل تو چودھویں کا چاند ہے
کوئی تیوری ان کی اجلی اجلی چتوں میں نہیں
آگے پیچھے ان کے میں پھرتا ہوں ہائے اس لئے
بات جوان میں ہے والدہ ان کی سوکن میں نہیں
نامہ بر کو دے کے خط بھیجا ہے جو داحرتا
آکے وہ بولا کہ ببل اپنے مسکن میں نہیں
میں کھڑا ہوں ان کی کمزی کے تلے دل قائم کر
آج وہ برقی تپاں آغوش چین میں نہیں
مرمریں گردن کی رعنائی میں ہے بس یہ کی
بازوؤں کے ہار میرے ان کی گردن میں نہیں

☆

 غالب اور عشق

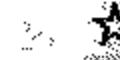
اپنے افسانہ الفت کو سنا بھی نہ سکون
کیا تم ہے تیری آنکھوں کو رلا بھی نہ سکون
رعب وہ حسن کا چھایا ہے کہ ڈر لگا ہے
ہاتھ آجائو اگر ہاتھ پھرا بھی نہ سکون
آئیں مگی بزم سے تم غرق نشے میں ہو کر
کیا غصب ہے تھیں تحوزی سی پلا بھی نہ سکون
ہمراں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
لولا لگڑا میں نہیں ہوں کہ پھر آبھی نہ سکون

غالب منتو کے گھر میں

غالب: لٹتے ہو خونے شیر سے تم الشہاب میں
ظالم ہوں گر نہ لٹتی ہو راحت عذاب میں
 منتو: سڑا اس تو تم ہو میں ہوں کس طرف سے شیر؟
پچھے تشریف مار دوں گا میں نہ پر عتاب میں
 غالب: تم اسپر تم پر ہوئے ہر وقت کیوں سوار؟
دو ہاتھ باغ پر ہیں دو پا ہیں رکاب میں
 منتو: چینی ہے گر شراب تو اے جان شاعری
”گستاخیاں“ کرو نہ ہماری جناب میں
 غالب: چھوڑا نہ خوف نے کہ ترے گھر کا نام لوں
جنا کی موج ڈلتی ہے آکر چناب میں
 منتو: دو چار گالیاں میں سنادوں تھیں گر
میں جانتا ہوں تم جو کو گے جواب میں
 غالب: چلاو تم ہو کب سے جہاں خراب میں
شب ہائے جیل کو بھی رکھو گر حساب میں
 منتو: چھوڑو یہ میرا قصہ بہت ہی طویل ہے
پیکاریوں پھساو نہیں پیچ دتا ب میں
 غالب: کم بخت یہ تو سوچ کہ مہماں ہو گیا
خاطر بھی کرنی بھول گیا اضطراب میں
 منتو: اچھا تباہ پیتے ہو یا تم نے چھوڑ دی
پیتے ہو گر تو جبٹ سے مکالوں حساب میں
 غالب: منتو چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
چڑھوں روز ایر و شب ماہتاب میں
 منتو: تو آگئی شراب بڑی عمر اس کی ہے
لایا ہے یہ پچاڑا چپا کر جناب میں
 غالب: اب بلو یار کیا کریں دلوں نئے میں ہیں
دنیا کے ہر گناہ ذبوح دو شراب میں
 منتو: آؤ نئے میں روئیں وہ نالے کریں اس
جن نالوں سے شکاف پڑے آفتاب میں

ہم بھی بھپ بھپ کے الائچی کہا کرتے ہیں
کہہ تو دیں صاف مگر بھت منور نہیں
بھیک جب پیار کی مانگی تو وہ بولیں چل بھاگ
تو اپاچ نہیں لکھڑا نہیں مخدود نہیں
بوجھ خزوں کا ایکیے ہی انہاں کیسے
ساتھ میرے کوئی دوکر نہیں مزدور نہیں
ہم تو کہتے ہیں کہ ہم مانگیں گے جنت میں تھیں
کسی رجوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم خور نہیں
(۲)

ہر ایک بات پر کہتی ہو تم کہ ٹو کیا ہے
حرماز ادی یہ انداز سنگو کیا ہے
کسی نے چھیڑا تو جمازو پھرا دیا اس پر
بلا ہے قبر ہے طوفان ہے تیری خو کیا ہے
ترالخاڑ ہے دردش میں ایک دوں گھونسہ
تری جوانی کے آگے مرا عدو کیا ہے
رگوں میں دوڑنے بہرنے کا میں نہیں قال
جو تاک ہی سے نہ پھا تو وہ لہو کیا ہے
نہیں ہوں میں کوئی خوشنک کہ تھے سے ذرا جاکیں
جو تیرے آئے پر یہ شور ”ہاؤ“ ہو کیا ہے
ریپ سانے آئے تو تھوک دوں اس پر
تجھے خیر بھی ہے اک سیری آخ تھو کیا ہے
پھٹا ہے کر تیرے سینے سے بھت ہداں
تم خدا کی اسے جامبڑ فرو کیا ہے
میں جمازو دیکھ کے ہاتھوں میں تیرے لارتا ہوں
کہوں تو کہے کہوں دل کی آہو کیا ہے
ہوں گا تیرا صاحب بھروں گا اڑاٹا
تیر سوچ شہر میں غالب کی آرزو کیا ہے



ضرورت ہے ایک فوکر کی مگر.....

گزارش ہے کہ وہ پیسے ذرا سودے میں کم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
سنائی بھی کرے مگر کی ، صفائی ہی نہ کر ڈالے
جہاں رحمت برتی ہے نہ لگ جائیں وہاں ڈالے
نہ کاٹے مگر کاغذ مجھ کو ، نہ مگر کو میرا غم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
چھا کر دو دو پلی سکتا ہے وہ ہر شام تھوڑا سا
ادھورا چھوڑ سکتا ہے وہ ہر اک کام تھوڑا سا
میں آہیں بھر کے بھی لوں گا نہ وہ ایام غم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
پھرے ریز سے چھپ چھپ کر وہ خالم شیو بھی کر لے
اگر چاہے تو وہ تھوڑا سا میں بیوی بھی کر لے
پھرے گھر میں خوشی کے دن باداڑ جنم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
نہ اتنے کوئے پھونکے کہ لگئے میرا دیوالہ
پکائے وال تو اس ولل میں تھوڑا سا ہو کالا
اگر میں پیار مانوں پیاں وہ بچشم غم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
اگر مجھ پر مگر اس گذرتے کوئی شیریں جواب اس کا
تو وہ خالم نہ پہچاہے ابھی کروں حساب اس کا
رہے کچھ سال و مگر میں نہ وہ سارا جنم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
اگر میں رات کو لیٹ اوس کھانا کھا کے سو جائے
مجھنے کی کروں کوشش تو وہ بے ہوش ہو جائے
پھرے آرام کی خاطر وہ کیوں شب ہائے غم کاٹے
چھری آہستہ سے پھیرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے

ناز وادا بیگم خفا

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھرنہ آئے کیوں
روئیں گے دن میں آٹھ بار ساس ہمیں ستائے کیوں
جب وہ جہاں فوکر وہ پیچے بیہاں پہ جائے چھوڑ
مگر میں کریں وہ توڑ چھوڑ ان سے کوئی بھائے کیوں
”نقش“ نہیں ”حرب“ نہیں ”ساقی“ نہیں ”صباء“ نہیں
بیٹھے ہیں ”ماہ نو“ پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں
نند کے پیچے جاں ستائ، ساس کے ٹلم بے پناہ
ایسے جہاں یہ لوگ ہوں مرگ وہاں پہ آئے کیوں
اللہ رکھا دام دین ، اصل میں دونوں ایک ہیں
استخندے ہوں جن کے نام بن کے وہ جیٹھا آئے کیوں
قد شر بن چکیں میری صیں جھانپاں
جن کو ہو جان و دل عزیزان کی گلی میں جائے کیوں
نوٹ تو ان کی جیب سے میں نے اڑائے بارہا
ان کا نہ دل چڑا کی سوچتی ہوں کہ ہائے کیوں
شیر خت گیر نے پیٹ کے مجھ کو یہ کہا
روٹی ہے زار زار کیا کرتی ہے ہائے دائے کیوں
ہم کو نہ کیوں ہنادیا ”صف کیف“ اے خدا
جنیں لطیف بن گے ہم تیرے جہاں میں آئے کیوں



تیرے بندوں کو دیا ہے لکھ کے یہ خط آخری
بجھ سے ملنا گھٹاں میں رات جب آدمی ڈھلے
میری شادی کی خبر سننے میں ہے آئی ہوئی
دل مرا پڑھرہ ہے اور روح گھرائی ہوئی

محبوب کے نام و دراخط:

میرے محبوب میری کل ہے شادی
میری شادی میں شامل تم بھی ہونا
وہیں گھر میں پڑے سڑتے رہو گے
یہیں آکر پلاو کھا کے رونا
ہر اک ارمان کو دے دے کے دھکے
محبت کے سندھر میں ڈبوانا
میں دیکھوں تم کو زردے کی طرح زرد
دکھائی دوں میں پہلی چیز سونا
ضرور آتا تھیں میری قسم ہے
نہ اپنی عاشقی کی لاج کھونا
پہنچ جانا مرے دلہا سے آکر
سکلے مل مل کے یہ کہہ کہہ کے رونا
پھر تم ہ تو نہیں خوش را
تو وانی حباب کم دیش را

سہیلی کے نام:

میری شادی کا ہے چالیسوں دن
یہاں اک 'پارٹی' ہے تم بھی آتا
نہ آئیں تم جو اس چالیسوں پر
کیا تم نے کوئی خیلہ بہانا
تمہاری کاٹ دوں گی آکے چیخا
سنون گی میں نہ پائیں 'سو فیا'
مرے عترت کدے میں چج بجے کل
مٹھائی اور چائے ٹھوں جانا

مرے گیہوں میرے جاول چاکر بیج سکتا ہے
کسی ڈبے میں خالص گھمی چاکر بیج سکتا ہے
خلاف پر طرف وہ آکے مجھ کو دم پر دم کاٹے
چھری آہستہ سے مجھرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
کا کر میں تھکوں اور خرچ کر کے تھکے وہ بھی
تو پھر کیوں ہر دوپن میں نہ کاٹے دو ٹکے وہ بھی
وہ کاٹے برلا کاٹے اُسے میری قسم کاٹے
چھری آہستہ سے مجھرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
وہ سینما کے لیے دو دو بیجے سک جاگ سکتا ہے
اگر اس کو جگاؤں میں تو فوراً بھاگ سکتا ہے
ملی ہے سب کو آزادی وہ کیوں قید قسم کاٹے
چھری آہستہ سے مجھرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے
یہاں نوکر کی رضی کے یہاں پہنچنیں ہے
خدا ہے یعنیں کام کا نوکر نہیں ہے
جو آئے آکے کاٹے چیزے کپڑے کو کرم کاٹے
چھری آہستہ سے مجھرے نہ مجھ کو ایک دم کاٹے

ایک خاتون کے پرائیویٹ مختلط

محبوب کے نام:
باغہ کر سکتہ اپنی ملی کے گلے
ختر ہوں تیرے کتے کی صور کے سے
ٹھہرے کا تھرا آیا نہیں ہے اب علک
بہت دوں کتے کہنے کو جو میرا بس چلے
اپنی محبوب سے ہو گا راہ میں محو کلام
کہہ رہی ہو گی نہ ہو مجھ سے جدا نا ڈوں چلے
اور وہ ملی کی بھی بھی نظر آتی نہیں
مل رہی ہو گی کسی بدنام چلے کے گلے
لے کے بلا اس کو اپنی خوشیں آغوش میں
کہہ رہا ہو گا کہ تو بیک بیک چھے پتوں چلے

ابھی ابھی اُف اس بیان کے آنکن سے
میرے کافوں میں یہ آواز آئی ہے
تم جاؤ تم کو غیر سے جو رسم دراہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

سمیلیوں کے نام ایک اور خط:

میرے نئے عظمت اللہ خال نے پہلی مرتبہ
الو کا پٹھا کہا ہے آج اپنے باپ کو
اور میری ساس اس تقریب پر
اک عظیم الشان دعوت دے رہی ہے
تو یہ کل رات کو
آپ ازراہ کرم
اپنے بچوں اور خالم شوہروں کے ساتھ ساتھ
ماہزا کرتا دل کچھے
آپ میں سے گر کی کو
ہو میرے شوہر پسند
بے کلف دیکھے پیغام عشق
اور اسے لے جائیے پھر اپنے ساتھ
میں بہت منون ہوں گی آپ کی!

محبوب کے نام:

شہر نادر نے مجھ کو
آج دے دی طلاق آخر کار
ہنس رہے ہیں تمام گمراہ کے لوگ
زو رہی ہوں گمراہ میں زادہ و قدار
کار لے کے بیان پڑے آؤ
مجھ کو لے جاؤ اب میرے مدار
جب تم آؤ کے تو مگر میں کے
تم سے شاید کہنا میرے سرکار
عظمت اللہ اور اس کی ایام کو
ساتھ لے جاؤ اپنے میرے یہ

بوقت الوداع آخر میں پیاری
یہ کہ کر قہقہہ اُک تم لگانا
لوگ غخواری میں تیری سی فرمائیں گے کیا
سی فرمانے تک پنجے نہ ہو جائیں گے کیا

ایک اور سہیل کے نام:

دل سے تو آہ آہ کئے جاری ہوں میں
ہوتوں سے واہ واہ کئے جاری ہوں میں
یوں زندگی گذاری ہوں میں ان کے ساتھ
جیسے کوئی گناہ کئے جاری ہوں میں
قسمت کے حکم سے مز الو میں بن گئی
الو سے بھی نیا کئے جاری ہوں میں
اب سوچتی ہوں تجھ کو سکھی ان سے بیاہ دوں
ہمار تیری راہ کئے جاری ہوں میں
مکوں کے ساتھ ہی نہیں مجھ کو معاملہ
چانٹوں سے بھی نیا کئے جاری ہوں میں
دیتے ہیں پہلے زور سے میری کمرپلات
اور اس کے بعد کہتے ہیں شانے پر کھکے ہاتھ
کمر کو کر بلند اتنا کہ ہر اک لات سے پہلے
میاں بیوی سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

سمیلیوں کے نام:

میرے میاں کی شادی خانہ بربادی
پرسوں رات کے آٹھ بجے ملئے پائی ہے
خیر سے ان کے ساتھ ہی کل کلتے سے
عی دویلی دین بھاگ کے آئی ہے
اے سکھیو اس بیکھیاں لے کے آجائو
میرے آنکنا بانج رہی شہنشاہی ہے
آ کے تسلی دے جاؤ بے چاری کو
میں نہیں ہوں روتی بی ہمسائی ہے

جولائی ۲۰۰۷ء

مصنفاتہ شگونہ

مکالمہ: فون نمبر ۵۵۸۲۰

نو جوان: از اٹ قایو فائیو ایٹ ٹو ناٹ سیوں
بیلاؤ آج کیسی ہو سوت شباب؟
پاس نام کی کوئی عورت یا لڑکی
ہمارے مکاں میں نہیں ہے جناب؟
تو پھر ہے یہ کوئی آواز کس کی؟
جی ہو گی کسی شوخ میڈم یا مس کی
گھنا کالی کالی ہوا ہے غریخواں
جدائی کے میں سہر رہا ہوں عذاب
گھنا گر ہے کالی ہوا ہے غریخواں
نہیں اس میں بندی کا کوئی قصور

نو جوان: بہت دن سے اجزی ہے آغوش میری
بسادے اسے آکے اسے رشک حور
کسی مستحق، کو ابھی بھیچ دوں گی
نه توڑوں گی میں یہ محبت کا خواب
تمہارے سوا آئے جو اس پلعت
یہ جوش جنوں! اُف یا اندھی محبت
نکالو ابھی اپنے گیرج سے موڑ
چلی آؤ فوراً میری ماہتاب
میرے گال پر لا لیاں آری ہیں
نہیں آپ بندی کو پہنچانے
ہماری ہوتم اور تم ہیں تمہارے
اچی ہم نہیں اور کچھ جانتے
لگا ہیں جھکا کر اگر آگئی میں

نو جوان: نہ فھنسے پھر کھائیں بیچ و تاب
اڑے نیکیاں پوچھ کر تم کرو گی
چلی آؤ ورنہ تم آہیں بھر دگی

لوگی: نو جوان: نو جوان: نو جوان:

جو تم چاچے تھے سو میں دے رہا ہوں
میں ایک لے کے اب تم کو دو دے رہا ہوں

خانہ پر مہمان گذاشت

مگر میں آیا ہے مہمان نہیں جائے گا
لے کے جائے گا مری جان نہیں جائے گا
وہ پڑا ہے یہ مرے مگر میں ہمیشہ کے لیے
جب تک جسم میں ہے جان نہیں جائے گا
میرے اوس انوں کے اوس ان اڑے جاتے ہیں
مگر سے یہ صاحب اوس ان نہیں جائے گا



لوگتی ہوئی بارات

دولت کے پچاری دیوانے، چند اسی دہن تھکرا کے چلے
جو گھر کو بنانے آئے تھے وہ گھر کو آگ لگا کے چلے
جلتے تھے جہاں خوشیوں کے دیئے، اب غم کا اندر ہمراچھایا ہے
دیکھوں گھر کا حال ہے کیا جس گھر کا دیہب پھما کے چلے
آکاش پر آئیں جاتی ہیں دھرتی کا لکھیج ہتا ہے
رک جا کر اسے اوبے در دو ایسی کیسی قیامت دھا کے چلے
انسان کی قیمت چاندی کے گھرے ہی نہیں اور جو اندا
تم کیا سمجھو کے ہداوی کیا سمجھو کے چلے کیا پا کے چلے
اندا تو ہتا دو دینا کو یہ کیسے منہ دکھائے گی؟
دہن کے پیارے ماتھے پر یہ کیسے داغ لگا کے چلے
اک یہ ہی نہیں، ہے لاکھوں کو، بہاد کیا تم جیسوں نے
مجھوں گھر مجھوں ہے، وہ روئے، تم مکا کے چلے



عشق کے لیے روائی

میں باہر عشق کرنے جا رہی ہوں اے میرے بچو!
 خدا حافظ میں کل تک آ رہی ہوں اے میرے بچو!
 کمل ہے چاندنی تم ذر کے چوہوں سے نہیں رونا
 رضاۓ اوزہ لینا اور ہرے سے سچ تک سونا
 یہ مانا غلام تم پر دھارہی ہوں اے میرے بچو!
 میں باہر عشق کرنے جا رہی ہوں اے میرے بچو!
 یہ پانچ آنے ہیں دیکھو رات کا کھانا منگالیتا
 بہت کافی یہ ہو گا مل کے چاروں اس کو کھالیتا
 کہیں دعوت اڑانے جا رہی ہوں اے میرے بچو!
 ابھی پچھے ہو تم، گوئیل ہے لیکن ادھوری ہے
 میں وہ آیا ہوں جس کو عشق کرنا بھی ضروری ہے
 میں دل دیتے ہی واپس آ رہی ہوں اے میرے بچو!
 ملکتا ہے میرے سینے میں یہ دل جیسے کاغذ ہے
 ہزاروں کر کے گھوے اس کو ہتاجوں میں بانٹا ہے
 محبت ہر طرف پر ساری ہوں اے میرے بچو!
 نہ آنکھوں میں حیا باقی نہ مانچے پر پیسے ہیں
 نہیں نام کہ مان ہو کر تمہارے باپ چھینے ہیں
 خدا شاہد ہے مجھ کو تم سے دیجی نہیں کوئی
 حسین دنیا میں لا کر میں نے اپنی آہو دکھوئی
 حسین لا کر بہت چھتراری ہوں اے میرے بچو!
 پڑے ہو کر تم اپنا اپنا فیضی دعویٰ تے پھرنا
 رذالت کے اندر میرے میں بھی اتنا بھی گرنا
 کہ خود بھی خوکریں میں کھاری ہوں اے میرے بچو!
 تمہاری تربیت، تعلیم کی کب گھر کرتی ہوں
 میں ہر محل میں اپنی شامری کا ذکر کرتی ہوں
 مولا کر تم کو میں خود گاری ہوں اے میرے بچو!
 تمہاری مسکراہٹ جیسیں کہ خود مسکراتی ہوں
 حسین دنیا میں کیوں لا کی ہوں اکثر بھول جاتی ہوں
 نجوس بن کے تم پر چھاری ہوں اے میرے بچو!

لوگی: اگر آپ نے پھر مرنا تھا جتنا

محکمیتے گا دوزخ میں جا کر عذاب

نوجوان: قسم ہے تمہیں سے کروں گا میں شادی

اگر تو ہوں اولاد میں باپ کی

پھر ایک بار کہیے!

نوجوان: قسم ہے تمہیں سے کروں گا میں شادی

اگر تو ہوں اولاد میں باپ کی

پھر ایک بار کہیے!

نوجوان: قسم ہے تمہیں سے کروں گا میں شادی

اگر تو ہوں اولاد میں باپ کی

نہ گھبرا یے میں ابھی آ رہی ہوں

یہ تاجزہ بندی ہے اب آپ کی

بلاتا ہوں قاضی کو میں فون کر کے

نہیں بولا جھوٹ پی کر شراب

خدا کی قسم?

خدا کی قسم!

لوگی: یہ طے ہو گیا ہے اب ایک بات سنئے

نوجوان: نہیں آ کے الٹ کے اب پھول جئیے

لوگی: اجی سیم صاحب نہیں آج گھر پر

میں آیا اسی گھر کی ہوں فون پر

نوازش، کرم اور محبت کی بارش

بہت آپ نے کی ہے اس جوں پر

ابھی آپ کے گھر کو میں آ رہی ہوں

پرے پھیل کر یہ حیا کی نقاب

اب اپنے لکھے پر نہ چھتا یے گا

جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے جتاب

تیرے کوچے میں

نہ لاش کو آرام تیرے کوچے میں
لوگ پڑتے ہیں سر عام تیرے کوچے میں

اس لیے آتے ہیں کوچے میں کہ دیدار تو ہو
کسی حلیے سے بہانے سے نظر چار تو ہو

بیچتے پھرتے ہیں بادام تیرے کوچے میں

زیر دیوار کھڑے ہم حیرا کیا لیتے ہیں
تیرے کتوں کو کیجیے سے لا لیتے ہیں

بھوکتے ہیں جو سر شام تیرے کوچے میں

تیری ضد ہے کہ یہ دل مفت ہمیں دے جاؤ
درستہ کھرا ہے ہمارے لیے یہ لے جاؤ

دل کے ملتے نہیں کچھ دام تیرے کوچے میں

ٹوٹے دل والوں کی کروی ہے مرمت لئے
کی ہے بیڈل سے ہزاروں کی جامات لئے

بھوکے مرنے لگے جام تیرے کوچے میں

مر گئے لاکھوں چلی جب تیری آبرد کی کثار
ہر طرف شہر میں لاٹوں کے لگے جیں انبار

ڈھل دیتے نہیں خام تیرے کوچے میں



راجہ مہدی علی خاں زندہ دل اور خوش مزاج انسان تھے۔ جس
محفل میں ہوں قہقہہ زار بنا دیتے۔ بقول بیگم اختر الایمان وہ اکثر
بیٹتے اور ہنساتے رہتے تھے۔ بیٹھے بیٹھے اوپر ناٹھ اشک سے
متعلق الطیفہ بنا دیا کہ اوپر ناٹھ اشک نے ایک بلی پالی ہے وہ
 محلے کے گھروں سے دودھ پی کر آتی ہے اور وہ اس کا دودھ نپھوز
لیتا ہے۔ اور بیٹتے بیٹتے ہمارے مل پڑ جاتے۔ ایک بار عید ملنے
کے لیے آئے اور آتے ہی لیٹ گئے۔ میں نے پوچھا بھی
خیریت تو ہے؟ کہنے لگے گلے ملتے ملتے آدھا ہو گیا ہوں!

ایک دفعہ وہ اپنی بیگم طاہرہ کے ساتھ آئے کچھ کام سے چلے
گئے کہ آٹھ بجے تک لوٹ آئیں گے۔ جب دس بجے تو ہم فخر
مند ہو گئے۔ اختر الایمان دلاسر دینے رہے کہ فلم لائیں میں ایسا
ہوتا ہی ہے کہیں رک گئے ہوں گے۔ ہم انتظار کر کے کھانے سے
فارغ ہو گئے۔ میں نے طاہرہ سے کہا: یہ کیا بات ہوئی راجہ
صاحب ہی غائب ہیں۔ طاہرہ اطمینان کے ساتھ کہنے لگی۔ شاید
وہ مجھے بھول گئے ہیں۔ اختر الایمان طاہرہ کو چھوڑ آنے کے لیے
تلکل ہی رہتے تھے کہ راجہ صاحب آگئے اور آتے ہی کہنے لگے۔
میں واقعی طاہرہ کو بھول گیا تھا۔ ہم فس پڑے۔۔۔

ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریض

تبہرہ

کالم برداشتہ۔ ایک مرطالعہ

کو معیار اور اعتبار بخشا۔ آزادی کے کچھ پہلے سے اردو صحافت کے آسمان پر مزاجہ کالم نگاروں کی ایک کہکشاں ابھری جس کے درخشان ستاروں میں منتو، ابراہیم جلیس، کرشن چھوڑ، شوکت تھا توی، ابن انشا، مجید لاہوری فکر تو نسی، کھیلالال کپور اور شاہد صدیقی وغیرہ شامل ہیں۔ بیسویں صدی کے دوسرے حصہ میں مزاجہ کالم نگاری کا آغاز کرنے اور اسے بامکمال کو پہنچانے والے فن کاروں میں بھجنی حسین کا نام سب سے منور و ممتاز ہے۔

بھجنی حسین ہمارے ہجد کے بڑے مزاج نگار ہیں۔ بحثیت کالم فویں انہوں نے اردو میں فکاہیہ کالم فویسی کی روایت کو آگے بڑھانے اور اسے فکر و فن کی تحریک بلندیوں سے ہم کنار کرنے میں اہم حصہ لیا۔ بھجنی حسین نے مزاج نگاری کا آغاز فکاہیہ کالم سے کیا۔ اس کے بعد انہوں نے مزاجہ انشائیے اور خالک لکھے۔ پھر ستر نتے، رپورٹاژ، چیل لفظ، تعارف نامے، تیرے اور وقاریئے غرض یہ کہ مختلف النوع اصناف میں دادظرافت دی اور ہر میدان میں اپنے منفرد اسلوب اور کمال فن کے تہائی نقوش چھوڑے۔ ان کی تحقیقات کے متعدد جمیع شائع ہو چکے ہیں جن میں سے چھوڑی ہیں۔ ٹکف بر طرف، قلع کلام، قصر ٹکر، بہر حال، آدمی نامہ، بلا خر، جاپان چلو، جاپان چلو، الغرض، سو ہے وہ بھی آدمی، چھوڑ در چھوڑ، سر لخت لخت، آخر کار اور ہوئے ہم دوست جس کے دیگرہ۔

بھجنی حسین نے ۱۹۶۲ء میں حیدر آباد کے مشہور اخبار روزنامہ "سیاست" کے فکاہیہ کالم "شیش روچھڑی" سے اپنے بھی سڑک آغاز کیا۔ انہوں نے دلی چدرہ سال تک "سیاست" میں روزانہ یہ کالم لکھا۔ اسی دوران ۱۹۷۴ء میں دو ایک۔ سی۔ ای۔ آر۔ الی سے واپس ہو کر دلی چلے گئے۔ ملازمت سے سکدوٹی (۱۹۹۱ء) کے بعد انہوں نے روزنامہ سیاست کے لیے ہفتہ وار کالم لکھنے کا آغاز کیا جو ہر اوارکو

عبد حاضر کے مشہور مزاج نگار شاہق احمد یوسفی نے کہیں لکھا ہے "مزاج، مذہب اور الکھل ہر چیز میں بہ آسانی حل ہو جاتے ہیں۔" آخر الذکر دو سے بہاں بحث نہیں لیکن جہاں تک مزاج کا تعلق ہے ہمارا مشاہدہ ہے کہ شاعری اور نثر کی ہر صنف میں بہ آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عبد قدیم عی سے اردو ادب کی مختلف اصناف میں مزاج کے عناصر للتے ہیں۔ خصوصاً بعض دکنی مشنویوں اور قدیم نثری داستانوں میں مزاج کے اچھے خاصے نہونے ملتے ہیں۔ بحد کے زمانے میں قصیدہ (تجویہ) غزل، لکھم اور قطبہ جیسی شعری ہیئتیں اور ناول، انشائیہ، خاکہ، ذرا سہ اور مکاتیب وغیرہ نثری اصناف میں اہل قلم نے طزو و ظرافت کے قابل قدر شہ پارے تھیں۔ صحافت بھی نثر نگاری کا ایک اہم میدان ہے۔ چنانچہ اس کا دامن بھی طزو و مزاج کی نگاری سے خالی نہیں۔ صحافت میں طزو و مزاج کا سرمایہ کارٹوں، لیفیوں اور سب سے بڑھ کر مزاجہ کالموں کے دلیل سے بار پاتا ہے۔

یہ ایک بجیب اتفاق ہے کہ اردو صحافت میں کالم نگاری اور مزاجہ کالم نگاری کا آغاز تقریباً ساتھ ساتھ ہوا۔ اودھی خی (۱۸۷۷ء) اردو کا پہلا اخبار ہے جس نے باقاعدہ طور پر کالم نگاری کی روایت کو فروغ دیا۔ اودھی خی کے لکھنے والوں میں سجاد حسین، مرتضیٰ چھوپیک ستم غریف، مثی جوالا پر شاد بر ق اور تربھوں ناٹھو آنگر کے نام اہم ہیں۔ اودھی خی کے بعد اردو صحافت میں متعدد فکر کاروں نے اپنی غریبانہ نگارشات کے ذریعہ مزاجہ کالم نگاری کو مقبول ہنانے میں اہم حصہ لیا لیکن اس موقع پر ان سب کے ناموں کا استھانہ تو موزوں ہے اور نہ ہی ممکن تھا ہم راقم الحروف بہاں عبدالجیب سالک اور چماغ حسن حرسٹ کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکا جنہوں نے آزادی سے ماقبل اور ما بعد دور میں اردو صحافت میں فکاہیہ کالم فویسی

شائع ہوتا ہے۔ ان کے کالم کا عنوان ”میرا کالم“ ہے۔ اس کالم طالب ہے بھتی جیں بھی کالم لکھاری کے اس جر سے آزاد نہیں۔ قلم برداشت لکھنے کے کالموں کے مجموعے کو ”کالم برداشت“ کا عنوان دینا ذریف صفت تجنیس کے پڑھات استعمال کا مظہر ہے بلکہ رعایت لفظی اور معنوی مناسبوں کی بہت سی طرفیں اپنے اندر رکھتا ہے۔۔۔

”کالم برداشت“ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں صرف ان کالموں کو جگہ دی گئی ہے جو بچپنے والے مجموعوں میں شامل نہیں ہیں۔ موضوعاتی ہم آہنگی کے اعتبار سے اس کتاب کو تین زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے زمرے کا عنوان ”تماشائے اہل کرم“ ہے۔ یہ حصہ ۲۲ کالموں کو محیط ہے۔ دوسرے زمرے کا عنوان ”تماشائے اہل تم“ ہے۔ اس حصے میں بارہ کالم ہیں۔ تیسرا زمرے کا عنوان ”تماشائے اہل قلم“ ہے۔ یہ حصہ ۱۹ کالموں پر محتوی ہے۔ اس طرح پیش نظر کتاب بھتی جیں کے ۲۳ حصے خوب کالموں کا مجموعہ ہے۔ پہلے زمرے کے تحت ایسے کالم اکٹھے کیے گئے ہیں جو روزمرہ زندگی کے واقعات اور عام موضوعات و مسائل پر تحریر کئے گئے ہیں۔ اس زمرے کے بعض کالموں کے عنوان یہ ہیں: اکیسویں صدی کی دلیز پر، تین سال کے لئے کچھ مشورے، انصاف برائے فردیت، ہائے وہ اظہار پارٹیاں، ملت میں علم کی قلت وغیرہ۔ کالم برداشت کے دوسرے حصے، تماشائے اہل تم، میں ان کالموں کو جگہ دی گئی ہے۔ جن میں جابر سیاست داؤں کے ظالمانہ ہتھنڈوں، حکمرانی اور ارباب حکومت کی فرض نمائی، بے ایمانی اور کریش کو موضوع عطا یا گیا ہے۔ جارج بیش خدا کے حضور، جارج بیش کاریبوٹ کشرون، وزیر فہماں اردو یکھر ہے ہیں، ایک لختے کا سکلازم، کئے پیس افریخے لگے اور غریبوں کو ہٹاو، اس حصے کے خام کالم ہیں جن میں معنف کی خوش طبی اور ذہانت قوی انعام حکومت کے قاہق اور بین الاقوامی سیاسی و معاملوں پر تہمات سمجھا طریقہ اور دلپس تحریر کرتی نظر آتی ہے۔

پیش نظر کتاب کا تیرا حصہ جو تماشائے اہل قلم کے عنوان سے محفوظ ہے ان تحریروں پر مشتمل ہے جن کا رشتہ شعروادب، اوپیوں

کے آغاز کے حرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے بھتی جیں راوی ہیں کہ ایک دفعہ ”باتوں میں غیر الدین علی خاں نے جو یونیورسٹی کی کہہ دیم“ سیاست“ کے لیے پھر سے ہفت وار کالم لکھنا شروع کریں۔ جگہ صاحب کی موجودگی میں ہم نے آمدگی طالب کی مگر یہ بھی کہا کہ ہم اپنی زندگی کا بڑا حصہ یہی تھے گزار چکے ہیں۔ لہذا اس کالم کو جراحتہ کالم کا عنوان نہ دیا جائے بلکہ اسے ”میرا کالم“ کا نام دیا جائے تاکہ بھتی جیں کچھ اپنی باتیں کرنے کا بھی موقع مل سکے۔ ”اُن طرح بھتی جیں ہر ہفتہ اس کالم میں ”کچھ اپنی باتیں“ کرتے ہیں۔ وہ باتیں جن کا تعلق ان کی ذات سے بھی ہے اور کائنات سے بھی۔ اُن کی باتوں میں کچھ آپ تھی بھی ہوتی ہے اور کچھ جگ بھی بھی۔ بھتی جیں کے اسلوب تحریر میں کچھ ایسی شخصی اور شوخی پائی جاتی ہے کہ وہ جو بھی لکھیں اس میں مزاج و ملادت کا رنگ آہی جاتا ہے۔ چنانچہ اس کالم میں بھی انہوں نے جس موضوع کو چھوایے طروہ مزاج کا مرقع ہایا ہے۔ اُن کا قلم گویا کہ مزاج کا راجہ میں اس ہے۔ جس طرح افسانوی راجا میں اس جس چیز کو چھوتا وہ سونا بن جاتی تھی۔ اسی طرح بھتی جیں کے خامہ ملادت ملزاٹ سے قاس میں آکر ہر قدر مزاج کی کروں سے جنم گانے لگتا ہے۔

روز نامہ سیاست میں بھتی جیں کا اتواری کالم گزشتہ چودہ سال سے پابندی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس انشائیں ان کے لئے ہوئے کالموں کی تعداد سیکروں میں بھی کمی ہے۔ اب تک ان کے کالموں کے تین انتخاب شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا انتخاب ۱۹۹۹ء میں ”میرا کالم“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ دوسرا انتخاب ”بھتی جیں کے انتخاب کالم“ کے نام سے ۲۰۰۲ء میں زیر طاعت سے آرائت ہوا۔ اس کی ترتیب دو الفہرست جناب حسن جشتی (ٹکاگی) نے کی تھی۔ اُن کے کالموں کا تیسرا انتخاب جو اس وقت راتم الحروف کے قیش نظر ہے ”کالم برداشت“ کے عنوان سے منتشر ہام پر آیا ہے۔ اس مجموعے کی ترتیب و تہذیب اور کالموں کا انتخاب جناب سید امتیاز الدین نے کیا ہے۔ کالم لکھار کا عجیب لامحائی جو اس کا ہٹراور خوبی بھی ہے یہ

مزاجیہ کالم نگاری ”میں لکھا ہے ”مزاجیہ کالم نگار کا صرف غریف ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس کا باطن ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔“ ان کے کالموں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں وہ خارجی ہاتھوں اور لوگوں کی خفیہ الخراکاتیوں پر خوش مزاجی سے ہنسنے ہیں وہیں خود اپنی ذات کو بھی طنز کا نشانہ بنانے کا طرف رکھتے ہیں۔

مزاج نگار زندہ دلی اور خوش طبی کے ذریعہ زندگی کی کڑوی کسلی چیزوں کو گوارا ہاتا ہے۔ مجتنی حسین اپنے کالم کے ذریعہ وقت اور حالات کی کجریوی، کذب صورت حال، انسانی روپیوں کے تم اور سماج کی ہاتھوں اور جو زندگی کو قابل قبول اور گوارا ہاتے کا فرض انجام دیتے ہیں۔ وہ زندگی سے اکتا ہے، بے زاری اور قرار کا احساس نہیں چھوڑتے بلکہ زندگی سے رج کر بیار کرنے، تاکامیوں اور محرومیوں کو انگیز کرنے اور زمانے کی تکنیکوں کو سنبھالنے اور انہیں خوش گوار ہاتے کا درس دیتے ہیں۔ ان کے مزاجیہ کالموں کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ ان کا سچے نظرِ شخص غرافت برائے غرافت نہیں۔ ان کی طنزیہ جنکلوں اور مزاجیہ بھلخیوں میں غیر معتدل صورت حال افراد کی خامیوں اور کرواری شخص کے سدھار کا جذبہ ہونج تھہیں کی طرح لہر لیتا نظر آتا ہے۔ اس طرح ان کافی شخصی خفاق اور خوش قیمت کے سطحی تھاؤں کی محمل تک مدد و نہیں بلکہ اس سے آگے انسانیت کی اہلِ قدروں کے اثبات اور معاشرے کی ہمہ رخی تحریر و اصلاح کا خاموش تیپ بھی ہے۔ ان کے ہاں صرف قعنی نہیں بلکہ ٹھکر بھی ہے۔ وہ قاری کو شخص لطف و ابساط کی منزل پر نہیں چھوڑتے بلکہ سچے پر بمحض بھی کرتے ہیں۔

محترمہ کہ مجتنی حسین نے روز تاریخ سیاست کے ”میرا کالم“ کے ذریعہ اردو صحافت میں مزاجیہ کالم نگاری کی روایت کو نہ صرف باتی و برقرار رکھا ہے بلکہ مزاجیہ کالم نگاری کو اپنی طرافت خیز ٹکر، روشنی و ذہانت، برجستگی و بذله سمجھی اور جعلی بصیرت کے ذریعہ ٹکر دیں کے تھے معیارات سے روشنائی کرایا ہے۔ ان کے کالموں کا یہ احتساب ”کالم برداشت“ اپنی اولی و فتحی قدروں اور مزاجیہ عاصمر کی فرداں کے سبب اردو ادب میں وائی قدر و قیمت کا حامل رہے گا۔☆

مشاعروں، ادبی اداروں اور ادبی تقاریب سے جزا ہوا ہے۔ ہوری کا خط پر یہ چند کے نام، مشاعروں کو کیا ہو گیا ہے، کچھ محبوب حسین جگہ کے بارے میں، ہم ایک دو شہرا شہری ہیں، کتاب کی رسماجرا، جانا شب خون کا اور آنا شس الرٹن فاروقی کا، یہ کیا جگہ ہے دوستو، وغیرہ اس حصے کے خوب صورت کالم ہیں۔ غالب نے کہا تھا ”ہوتا ہے شب و روز تماشہ مرے آگے۔“ مجتنی حسین نے اپنے کالموں میں ایک تیز نظر اور باریک میں ناظر کی طرح شب و روز کے تماشوں کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تماشہ اہل کرم کا بھی، اہل تم کا بھی اور اہل قلم کا بھی۔

کالم نگاری کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ کالم خواہ سمجھدہ ہو یا فنا ہیہ دنیا کے کسی بھی موضوع پر لکھا جاسکتا ہے۔ کائنات کی کوئی بھی شے، زندگی کا کوئی بھی مسئلہ کالم کا موضوع بن سکتا ہے۔ عصر حاضر میں انسانی زندگی کی صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے جس میں مزاج نگاروں کو اپنی تحریروں کے لئے موقع، مواد اور موضوعات دافر مقدار میں دستیاب ہیں۔ آج انسانی سماج کو نہایت بیکمی پر مسائل کا سامنا ہے۔ ہمارے اطراف کی زندگی اور معاشرے میں بڑی خرابیاں، ہاتھوں اور تقاضات پیدا ہو گئے ہیں۔ انسانی رویے بڑی طرح سخن ہو رہے ہیں۔ مجتنی حسین نے ایک حاس فن کار اور صاحب بصیرت قلم کار کی طرح محلی آنکھ اور سکلے ذہن سے گرد و پیش کی زندگی، اشیاء اور افراد اور حالات و واقعات کا مشاہدہ کیا ہے۔ انہوں نے سماجی، سیاسی، ادبی، تہذیبی، معاشی اور اخلاقی موضوعات پر نہایت تسلیل اور تواتر کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ زور توں بھی ہیں اور بسیار قلم بھی جیسا کہ ہر کالم نگار ہوتا ہے۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ ان کی نگارشات میں کہل عاصیانہ پن، سطحیت، سوچت یا ابتدال کا شائستہ بھی نہیں پایا جاتا۔ ٹھر ہے تو سادہ و پرکار جس میں جھنملاہت اور زہرناکی نام کو نہیں۔ مزاج ہے تو شاہستہ اور معیاری جس میں بھکوپن کی کوئی محباش نہیں۔ ان کے کالموں میں فنا کارانہ ضبط و سیقہ اور ادبی قدروں کی پاسداری کا احساس نظر آتا ہے۔ مجتنی حسین نے اپنے ایک سمجھدہ مضمون ”

تبہرہ

یوسف ناظم
ممبینی

نام کتاب: راجہ مہدی علی خاں کی ادبی خدمات

مصنف: ڈاکٹر عبدالقدیر مقدر۔ صفحات ۲۵۰۔ یعنی اتنے کہ آپ سختے گئے پر بیان ہو جائیں۔ قیمت صرف ۲۵۰ روپے۔ یہ صرف ایشیزی کی قیمت ہے۔ ناشر صرف بذات خود، کتاب ملنے کے کمی پتے ہیں اور یہ وہاں بھی مل سکتی ہے، جہاں اس کے طبع کا کوئی گمان نہیں ہوتا۔ دیے ہوئے جیدر آباد میں دفتر ماہنامہ شکوفہ، سب رس کتاب گھر اور حسامی بک فیروز پر آسانی دستیاب ہو سکتی ہے۔ علی گڑھ میں انجوں کیشنل بک ہاؤز اور نظام آباد (دکن) میں احمد پور کالونی میں صرف کے خانہ بے تکلف سے بھی یہ کتاب غالباً بطور تخفہ اور جی چاہئے تو قیمتا حاصل کی جاسکتی ہے۔ تبرہ نگار: یوسف ناظم۔

کچھ عرض کرنے سے پہلے میں ایک بات کی وضاحت کر دیں۔ المال ہو چکے تھے۔ انہیں بھی مبارکباد کہ انہوں نے اپنی ضروری سمجھتا ہوں کہ زیرنظر کتاب فی الحقيقة کتاب نہیں ہے ڈاکٹریت کی سند حاصل کرنے کے لیے ایک تو ایسا پر لطف اور ملکہ درحقیقت ڈاکٹر عبدالقدیر مقدر کا وہ مقالہ ہے جو انہوں نے اپنی پی ایچ ڈی کی سند حاصل کرنے کے لیے ٹھانیہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سابق صدر عقیل ہاشمی کی عمرانی اور حسامی میں لکھا تھا۔ یہ واریٹ ۱۹۹۸ء کی ہے۔ عبدالقدیر مقدر اس وقت صرف کے چندے پر خود بخوبی فائز ہو چکے تھے لیکن وہ ڈاکٹر آف فلسفی اس وقت بنے جب یہ ہیں صدی اپنے دم آخر پر تھی اور پیچیاں لے رہی تھی۔ جب یہ طویل عریض اور بیسط مقالہ لکھنے میں خیر الدین علی احمد میوریل کیٹھی کے ارباب حل و عقد کی مشترکہ نظریں سے گذرات تو کیٹھی نے فی الفور ملے کیا اور اچھا کیا کہ یہ تو کتاب کی صورت میں پہچنا چاہئے اور کیٹھی نے باتفاق آرا (جو حمارے یہاں سمجھب ہے) مالی ورنی امداد کا نہ صرف وعدہ کر لیا بلکہ ایسا نئے وعدہ (یہ بھی یہاں سمجھب ہے) میں کسی مذہب اور تنالی سے کام نہیں لیا۔ مذکورہ میوریل کیٹھی سے گزارش ہے کہ دو باتفاق آرا ایمری مبارکباد قبول کر لے کہ اتنی زیر دست کتاب کی اشاعت کا پھولوں کا سہرا اس کے سر ہے۔ کیٹھی کی امداد کے بغیر اس کتاب کا شائع ہونا ممکن تھا۔ شائع ہونا ممکن نہ ہوتا۔

کتاب کے بارے میں: جو شخص بھی یہ کتاب پڑھے گا غوش کیں کہ فاضل مقالہ لکار پہلے اپنی ۲۳ کتابیں شائع کر کے فارغ ہو جائے گا کہ ایک مدت کے بعد ایک اچھی اور ضروری کتاب

لوگ واقف نہیں تھے، پڑھ کر ان کے پرستار یقیناً خوش اور مطمئن ہوں گے اور دل میں کہیں گے کہ یہ باتیں تو ہمارے علم میں نہیں تھیں۔ راجہ مہدی علی خان کو علم نجوم سے گہرا گاؤ تھا اور وہ اس موضوع پر لکھی ہوئی ہر کتاب کا مطالعہ کرنے کے شائق تھے۔ علم جزئے تو انہیں اتنا معتقد بنا دیا تھا کہ وہ اپنی تاریخ و فقایت تک کی پیش گوئی کرنے سے احتراز نہیں کرتے تھے۔ مرحوم شاعر کی شر نگاری اور مکتوب نگاری کا باب دو ذیلی عنوانات پر محیط ہے لیکن فاضل مصنف کی جستجو اور کاوش پرداز ہے۔ راجہ مہدی علی خان کی شخصیت اسی باب میں کھل کر سامنے آتی ہے۔ اپنے عزیز دوستوں اور بے تعلق احباب کے ساتھ ان کا کیا روایہ تھا۔ یہ سب کچھ اسی باب سے منکشف ہوتا ہے۔

کتاب کے اندر وہ فلیپ پر اٹھا رہا ہے کہ عنوان کے تحت فاضل مصنف نے مرحوم کے پانچ ہم عصر شاعروں اور ادیبوں کے خیالات سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ یہ سب خیالات ایک قاری کے لیے مشعل راہ ہیں۔ میں پروفیسر جیل جالی، کام صرف ایک جملہ کروں گا جو بجائے خود تاریخی جملہ ہے۔ لکھتے ہیں: آپ کا کام اچھا اور منفرد ہو گا۔ مجھے اس وقت تختیق مقالے پر (ترجمہ کی بنیاد پر) زیادہ دلچسپی ہے۔ آپ خوب محنت کیجئے انشاء اللہ یہ مقالہ تاریخی ہو جائے گا۔ اور مقالہ نگار کے مقدر کی خوبی کہنے کے پر مقالہ واقعی یادگار ہو گیا اور میری خواہش تو یہ بھی ہے کہ اس آن بان کے مقالے جو آج کے دور میں شاد و نادر ہی وجود میں آتے ہیں، اس لائق ہوتے ہیں کہ انہیں جا بہت گھروں میں جگہ دی جائے۔ اس لیے اس مقالے کا ایک تجزیہ سالار جنگ میوزیم میں صدر دروازے کے قریب ہی رکھ دیا جائے تو جو بھی اردو دال سیاح یہاں آئے گا راجہ مہدی علی خان کی تصویر دیکھ کر بہر حال مسکراتے گا۔ ہاتھ میں یہ بات بھی آپ کے گوش گزار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری یہ خواہش بالکل سرسری ہے اور اسے ان مشہور و معروف خواہشوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے کہ جس میں ہر خواہش پر دم نکلنے کا ذر ہوتا ہے۔

پڑھنے کا اسے موقع ملا۔ ضروری کا لفظ میں نے اس لیے لکھا کہ یہ کتاب واقعی ہماری ایک ضرورت کی تکمیل کرتی ہے۔ لوگ ایک تاقابل فراموش اور اہم مزاح گو شاعر راجہ مہدی علی خان کو بھولتے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے راجہ مہدی خان کے بارے میں پڑھنے کیسے کہہ دیا کہ وہ بڑے شاعر نہیں تھے۔ اب میں محترم ڈاکٹر محمد حسن کی تردید کی جارت کیوں کروں جب زیر نظر کتاب بجا طور پر ثابت کر دینے کے لیے کافی ہے کہ راجہ مہدی علی خان نہ صرف مزاح گوئی میں خاصے قد آور تھے بلکہ ان کی طریقانہ شر نگاری بھی ان کی مزاح گوئی سے آنکھیں ملانہیں آنکھیں لا رجھی سکتی تھی۔ وہ مزاح گوئی میں رسم تھے تو ظرافت نگاری میں سہرا ب۔ یوں سمجھنے وہ شاعری میں فواب آف پنڈوی کے معیار کے کریکٹر تھے تو نظر میں متصور علی پنڈوی کے معیار کے کیتانے تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر مقدار نے اپنے جانفشنالی سے لکھے ہوئے مقالے میں خاکسار کے اس نظر پر کو دلائل و برائین کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کتاب یوں کہنے کو تو پانچ ابواب پر مشتمل ہے لیکن کتاب کا اصل باب تو ابتدائی ۷۰ صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس میں ڈاکٹر ذیر آغا کا تعارف، راجہ مہدی علی خان کا ذکر، پہلہ ڈاکٹر عقیل ہاشمی اور مصنف کے سخن ہائے گفتگو جیسے معلومات افزار شفات قلم شامل ہیں۔

کتاب کا پہلا باب ہی آپ کو مسحور کر دینے کے لیے کافی ہے۔ فاضل مصنف نے اس باب کے سات عدد ذیلی درپیوں سے طنز و مزاح کی علمی صور تحوال کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی ایک باب نے فاضل مصنف کو کمر خیدہ کر دیا ہو گا۔ لیکن راجہ مہدی علی خان کی جاں فزا اور قوت بخش شاعری نے انہیں آگے کے چار باب مکمل کرنے کا حوصلہ فراہم کیا اور عبدالقدیر مقدار نے اپنے ادبی اعمال ہائے کی ترتیب اور تالیف میں کوئی کسر یا قل نہیں رکھی اور حسابی نقطہ نظر سے ۱۵ ذیلی ابواب پر اپنی آنکھوں کا رونم صرف کیا۔ کتاب کا ہر باب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم ہے۔ راجہ مہدی علی خان کے احوال و آثار سے جو

دے کے خط.....(مراسلے)

طباعت اور عمدہ مظاہر بھجی طور پر جوں کا پرچہ بہت اچھا ہے۔
امید ہے کہ مزاج گرامی غافل ہوں گے۔

تاریخ ساتی، دہلی

محبی ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال صاحب

السلام علیکم۔ امید ہے مزاج گرامی تحریر ہو گا۔
مئی ۲۰۰۴ کا شمارہ موصول ہوا۔ میں کا ٹکونہ بھی حب سابق صروفیات نے اس طرح گھیرا کہ لکھنے کی طرف توجہ ہی نہ ہو سکی۔

اور حبہ روایت گوں گوں اوصاف سے مامون ہے۔ سید معراج آپ کی محبتیں ٹکونہ کی شکل میں بر ابریل رہی ہیں۔ ایک چھپلے جاہی کی شکل میں ہمارے بیہاں ایک مزاج نگار تیار ہو رہا ہے۔ نہایت آپ نے اس کے تیوار اپنے پرچے میں شائع ہونے والی اس کی رغبت سے بڑھا۔ مدیر شاعر انتشار امام صاحب کے مزاجیہ شعروں کی تحریروں میں ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ انشاء اللہ وہ دون دو نئیں بات سن کر اشتیاق بڑھا۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے کہاں کہاں سے جب یہ پوری طرح خم خوب کر مزاج کے اکاڑے میں اترے گا۔ مزاج کو کرید کر لاتے ہیں۔

اسے ہم جسموں پر یہ برتاؤ بھی حاصل ہو گی کہ یہ قلم اور نشر دونوں امید ہے آپ خوش و خرم ہوں گے اور بیچل کوارٹر زکی سیر ہیاں میں اول کا شہزادہ ہے۔

(ڈاکٹر) ایم یوسف امین قریشی، کراچی

محبی مصطفیٰ کمال صاحب

آداب۔ ٹکونہ کا تازہ شمارہ ملا۔ ”خوش کلامیاں قلم کاروں کی“
کی رسم اجرائی تصویر اور پورٹ آپ نے نہایت انتہام سے شائع کر کے پرچہ بھی مجھے سمجھو دیا اس کے لیے آپ کا نہایت شکرگزار تک اس سے چھکا رانیں حاصل کر سکا ہوں۔ دہاں کے دفاتر اور دکانداروں کو آئندہ جگہ فراہم کرنے کی کوئی بات بھی ہوئی یا صرف ہوں۔

جتنی حسین صاحب کا حصہ ہوں کیا لکھیں اور کیوں لکھیں، نہایت نوش پڑھا دیا گیا۔؟

یوسف امیاز، فورنٹو

ویسپ ہے۔ شوکت جمال کی قلم آری نامہ نہایت خوبصورت

ہے۔ علیم الدین قلکلی کی قلم حافظ نے ممتاز کیا۔ خدا کی سینہری شیخیں

کو ایسے خادیث سے دوچار نہ کرے۔ کھامزہ محبوب محبی کی قلم میں شاعر ہوں اپنا ہنر پیچا ہوں، شریف النصاری کی فرقہ یوسف کے بات کی خوشی ہے کہ اردو کے معجزہ اور تخلص شخص سے ملنے کا موقع ہام نے ممتاز کیا۔ عابد معز کا حصہ ہونا جیسی کتاب، یوسف ہلہم کا اللہ تعالیٰ نے فراہم کر دیا تھا۔ اب تک آپ کے دانتوں کا علاج پورا پیسا لاد تقریب اور قلم مبارکہ کو درسترا تحریر نہایت دیسپ اور معلوماتی مظاہر ہیں۔ ڈاکٹر ایم یوسف امین قریشی، قادری کو بھی دو کھنے میں ہو چکا ہو گا اور گوشت مرغ مسلم اور ماہی کا استعمال شروع کر کچے ہوں گے۔ میری یہ تنائی کہ میں آپ کو اپنے شہر میسور لے آؤں اور ایک دو دن تک ٹپو سلطان شہید کے سری رنگ میں جسے ہم عام تقریب کے بارے میں پڑھ کر خوشی ہوئی۔ دیور ٹوب ہائل بہرزاں

پھر طیں گے اداریہ

ر الجہ مہدی علی خاں کو شوخی، شرارت، فطری پن، بے سانچی کے انداز اور اپنے عہد کے معاشرے اور جواہی جذبات کی ترجمانی کے باعث میوسیں صدی کے مزاج لکاروں میں نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے۔ ٹھوڑے توہیر ۱۹۶۸ء میں چاری ہوا تو طفرو مزاج کے راجا، ر الجہ مہدی علی خاں حیات نہیں تھے، لیکن ان کی حیات بخش تحریریں طنز و مزاجیہ ادب کے سرماںے کا ناقابل فراموش حصہ بن چکی تھیں۔ وہ اپنے عہد کے مقبول ترین ادیب تھے۔ پیشتر ہم حصہ ادیبوں اور شاعروں سے ان کے گھر سے مراسم تھے۔ اس دور کے رسائل و جرائد اور خاص طور سے ماہنامہ میوسیں صدی میں ان کی تحریریں بالالتزام شائع ہوتی تھیں۔ اردو اخباروں اور جوامد کی دنیا میں ان کی دھوم تھی۔ ان کے پرکشش رسمات قلم نے اردو دالوں کو ان کا گرد ویدہ بنادیا تھا۔ نثر و نظم دونوں میدانوں میں اس بجوبہ روزگار تحقیق کرنے شہرت حاصل کی۔ قاری ان کی تحریروں کے منتظر رہے تھے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کی مخلوقوں میں ان کا ذکر رہتا تھا بلکہ اردو کے عام قاری بھی، جن کی پیدائش کا سلسلہ اب بھی حد تک مختود ہو چکا ہے، اپنی طاقتلوں میں ان تحریروں کے حوالے سے ٹھوکو کیا کر رہے اور لف اندوز ہوتے تھے۔ کی پار خیال ہوا کہ اس مقبول و ممتاز مزاج لکار کے لیے ٹھوکوڈ کا ایک شمارہ وقف ہونا چاہئے۔ اس خصیں میں ر الجہ مہدی علی خاں کے عاشق اور ان کے فرمی ساتھی ممتاز ادیب جناب کیوں دیکھ رہے کوئی دو سال قبل خط و کتابت رہی۔ اردو نواز کیوں دیکھ رہے فرمی کچھ مسودہ بھی فرم کر دیا تھا۔ لیکن بوجوہ اس بجوبہ پر عمل نہ ہو سکا۔ گذشتہ میسیہ ر الجہ مہدی علی خاں پر عزیزی عبد القدر کا پی ایچ ذی کام تاریخ شائع ہوا تو عذرخواہ جاگ آئی اور جو لائی کا شمارہ ر الجہ مہدی علی خاں کی تحریر کر دیا گیا کہ جو لائی اس منفرد مزاج لکار کی وفات کا نہیں ہے۔ لیکن یہ احاس قابل ہے کہ جسم شخصیت اور خیم تعلیقات کے حامل ر الجہ مہدی علی خاں کے لیے ایک جامع نمبر شائع ہونا چاہیے تھا۔ اس شمارے کے لیے عزیزی ذاکر عبد القدر ہدرنے ر الجہ مہدی علی خاں کا مطبوعہ وغیر مطبوعہ کام اور بعض مصائب فراہم کیے جس کے لیے ادارہ ان کا ممنون ہے۔

فہم زبان میں ہلن کہتے ہیں اور کرشنا راج ساگر کی سیر کر لااؤ۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ماح شاعر اور ادیب میسور میں موجود ہیں، ان سب سے طوا کر ایک تقریب بھی منعقد کر دانے کا ارادہ تھا لیکن آپ اسی رات لوٹ گئے۔ (ڈاکٹر) راشد فریدی، میسور

محترم ذاکر مصطفیٰ کمال صاحب آپ خوش دلان بیگلوڈ کے پروگرام کے لیے آئے۔ آپ کا دیوار ہوا۔ آپ کی فکر انگیز تقریب بھی سنی۔ مگر افسوس میں آپ سے ملنہ سکا۔ اس کا افسوس مجھے تازندگی رہے گا۔ اس دن میرے نواسے کی طبیعت بہت خراب تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں ہر مشکل آپ کے دیوار کی خاطر پروگرام میں شامل رہا۔ پروگرام مکمل ہونے سے قبل میں ہر چیل روانہ ہو گیا۔ زندگی اگر باقی رہے گی تو ضرور مطاقت ہو گی۔

ضیا جعفر، بیگلوڈ

جناب کمال صاحب، تسلیمات میں ہمیشہ ٹھوکوڈ میں طالب زیدی کے معلومات افزای مظاہن بے حد شوق سے پڑھتا ہوں۔ اب جب سے ان کے آسٹریلیا کا سفر نامہ شروع ہوا ہے ٹھوکوڈ کا انتظار رہتا ہے۔ طالب صاحب کے بیان کا طریقہ اور انہمار کا معیار اتنا بلند ہے کہ اس کی نظر نہیں ملتی۔ بہر حال آپ قابل سفار کہاں ہیں کہ ٹھوکوڈ میں ایسے بلند پایہ مضمون لکاروں کے افکار شائع کر کے ہم کو استفادے کا موقع دیتے ہیں۔ آسٹریلیا کے سفر کا حال تفصیل سے بیان کرنے کے لیے طالب صاحب سے ضرور کہیجئے۔

حکیم کاظم احمد، مہدی پشم